

دیباچہ

اسلامی تہذیب کو دوبارہ عظیم کیسے بنایا جائے

اسلام کا سنہری دور

منازعہ مسلمان معاشرے جدید سائنسی منصوبوں میں شمولیت کے لئے معروف نہیں سمجھے جاتے۔ پھر بھی، وہ عربی سائنسی علوم کے ایک افسانوی "سنہری دور" کے وارث ہیں، جو آٹھویں سے لیکر میں تیرہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ مقناطیسی کمپاس اور نیوٹون کے آلات، قلم اور طباعت میں مہارت، اور بہت کچھ مسلم سائنس دانوں کی ہی ایجادات تھیں۔ عام انگریزی الفاظ جیسے کہ الجبر، الگورتھم، کیمیا، الکحل، الکالی، نادر، زینیتھ، کافی، اور لیموں؛ یہ سب عربی سے ہی ماخوذ ہیں، جو مغرب میں اسلام کی شرکت اور حصے کی عکاسی کرتے ہیں۔

طب میں پیشرفت

اسلامی سنہری دور میں طب میں بھی ترقی ہوئی۔ مشہور عربی سائنس کی تاریخ کے مفکرین اور قرون وسطیٰ کے تمام معالجین میں سب سے بڑے لوگوں میں شمار ہونے والے، الرازی (محمد بن زکریا الرازی) تھے۔ وہ موجودہ شہر تہران میں پیدا ہوئے۔ رازی، جو 925 عیسوی میں انتقال کر گئے تھے، انہوں نے بغداد میں تربیت حاصل کی اور دو اسپتالوں کے ڈائریکٹر بن گئے تھے۔ انہوں نے چھک اور خسرہ کی پہچان کروائی، اور ایک ایسا مقالہ لکھا جو پہلے مشرق وسطیٰ میں اثور سوخ کا باعث بن گیا اور پھر انیسویں صدی میں یورپ کے اندر بھی اس کے چرچے ہو گئے۔ رازی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دریافت کیا کہ بخار دراصل ایک دفاعی طریقہ کار ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ بیماری کیسے لگتی ہے اور اسے کیسے ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ وہ انسائیکلو پیڈیا آف میڈیسن کے مصنف تھے جس کی تین جلدیں ہیں۔

فکری آزادی

1258 کے منگول حملے میں اس کے خاتمے تک، خلافت عباسیہ اسلامی دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی اور عرب تاریخ میں سب سے زیادہ فکری طور پر پیداواری تحریک کی نگرانی کرتی تھی۔ اس تحریک کی فکری آزادی کی وجہ سے ہی یونانی اور فارسی کے کاموں کا عربی اسکالر نے ترجمہ کیا اور اس پر تبصرہ کیا۔ بغداد میں علمی احیاء کے نتیجے میں کلاسیکی یونانی تصانیف کی تقریباً تمام سائنسی تخلیقات کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔ مسلم مفکرین نے فلسفہ، فلکیات، طب، کیمیا، جغرافیہ، طبیعیات، آپٹکس، اور ریاضی جیسے شعبوں میں، تحریری اور طریقہ کار کے تجربات، دونوں کے ذریعہ اصل شراکت کی۔

بہت سے پیچیدہ عوامل نے بہترین ترقی کے سنہری دور کو جنم دیا۔ اہم عناصر میں سے چند عربی معاشروں میں فکری آزادیوں اور ثقافتی کشادگی کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اگرچہ قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا نے اکیسویں صدی کے معیار کے مقابلے میں صرف محدود آزادی دی تھی، لیکن اُس دور نے اپنے

پیش روؤں، اپنے ہم عصروں، اور اپنے بیشتر جانشینوں سے کہیں زیادہ آزادی کی پیش کش کی تھی۔ مسلم دنیا کو اپنے ماضی کے اُن حصوں کو بحال کرنا ہو گا جو عقلی اور کھلی تفتیش کی قدر کرتے ہیں۔ ایمان اور دنیاوی معاملات میں قرآن نے بار بار استدلال کے استعمال پر زور دیا ہے۔

اسلام آزادی، سائنس، یا معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے، کیونکہ ماضی میں مسلم معاشرے ان تینوں کے ہی سرخیل تھے۔ آزادی کا تصور مغربی ثقافت سے منفرد نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آزادی کے بہت سارے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں، جیسے مذہب کی آزادی، انفرادی حقوق، اور رضامندی یا جمہوریت کے ذریعہ حکومت کرنا۔

سیکولر ازم کی طرف رجحان

جوڈو کر سٹیٹمن روایات کے انقلاب کے بعد ہی مغربی تہذیب نے جدیدیت حاصل کی۔ عیسائی چرچ کی جانب سے گلا گھونٹنے جیسے انتقام کے ساتھ بیدار ہونے کے بعد ہی، سیکولر اور روحانی کے مابین فرق معلوم ہونا شروع ہوا۔ یورپ کے عیسائیوں کے درمیان کئی صدیوں کی فرقہ وارانہ لڑائی نے مغرب کی سیکولر ائزیشن کو مزید تقویت بخشی۔ تاہم، پوری جدید تاریخ کے دوران خدا کے ساتھ کمزور ہونے والے تعلقات نے نسبت پسندانہ نظریات کا ایک پنڈورا باکس کھول دیا، جس کی کوئی چیز مستقل نہیں تھی۔

مغربی معاشرے، سائنس اور معاشی ترقی میں اپنی شاندار کامیابی کے باوجود، بہت ساری معاشرتی بیماریوں کا سامنا کر رہے ہیں جن کے انکو آسان حل نہیں مل رہے ہیں۔ مغربی مذہبی تجربے سے مسلمان جو اہم سبق سیکھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ فرقہ واریت کی برائی روحانی زوال کی علامت ہوتی ہے اور بالآخر یہ چیز لوگوں کی اکثریت کو مذہب کو نجی معاملہ کہنے اور اس کی بجائے سیکولر ازم کو اپنانے پر لاسکتی ہے۔

اس بات کے اب کافی زیادہ اشارے مل رہے ہیں کہ اب جبکہ، مشرق وسطیٰ اور اس کے قرب و جوار پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے، تو نوآبادیاتی دور کے استحصال کے تناظر میں ہونے والے جابرانہ نظام اور غیر اسلامی حکومتوں کے دور کے بعد، اب اسلامی معاشرے لمبی نیند اور جزوی جمود کی طرف سے دور جا رہے ہیں۔

تمام عظیم تاریخی مذاہب کی طرح، اسلام بھی ترقی کے بہت سے مراحل سے گزر چکا ہے۔ اپنی پوری تاریخ میں، اسلامی کمیونٹی کو اپنی مستقل زندگی اور بقاء کے لئے داخلی اور بیرونی خطرات کا جواب دینا پڑا ہے۔ اس کے نتیجے میں، اسلام میں مذہبی تجدید اور اصلاح کی ایک طویل روایت ہے۔

یہ عقیدہ کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو نیک اور صالح معاشرہ قائم کیا، وہ مستقبل کے اسلامی معاشروں کی تشکیل کے لئے پہلے سے ہی ایک معمولی اور بنیادی میٹرکس کا حامل تھا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آج کے مسلمانوں کو ساتویں صدی کی زندگی میں رجوع کرنا ہو گا۔ اس کے برعکس، نبی ﷺ کے ذریعے قائم کی جانے والی پہلی اسلامی حکومت ایک اچھا نقطہ آغاز ہے، جس کے خطوط پر جدید اسلامی معاشرے منصفانہ اور اخلاقی نظام کے تعین کے لئے ترقی اور ارتقاء جاری رکھ سکتے ہیں۔

تجدید کے لئے، غیر اسلامی تاریخی عقائد یا غیر مطلوب بدعات کو بھی ختم کرنے کی ضرورت ہے جس نے معاشرتی زندگی کو خراب کر دیا ہے، جس میں دوسرے قوانین کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت کو فروغ دینے والے قوانین، خواتین کے حقوق دبانا، اور توہین رسالت اور گستاخیوں کے لئے غیر اسلامی سزائیں وغیرہ شامل ہیں۔

سیکولر معاشرے جن معاشرتی بیماریوں سے دوچار ہیں، انکو روکنے کے لئے عوامی زندگی میں اسلام کا کردار اخلاقی بنیاد پر مشتمل ہے۔ مستقبل کی ایک مثالی اسلامی برادری جو دونوں جہانوں کا بہترین امتزاج ہوگی وہ ہے دراصل: ایسے آزاد اسلامی معاشرے جن میں معاشرتی بیماریوں کی سطح بہت کم ہو۔

باب اول

شریعت کا تعارف

اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام، قوانین کا مذہب ہے۔ اسلامی تقوے کے تمام بیانات و اظہار و تاثرات میں، قانون سب سے زیادہ خاصیت رکھتا ہے۔ مسلمان اسلامی قوانین کو بیان کرنے کے لئے دو الفاظ استعمال کرتے ہیں: شریعت اور فقہ (اسلامی قوانین)۔ لفظی شریعت کا اصطلاحی مطلب ہے "پانی والی جگہ" / سیراب کرنے والی جگہ کی جانب جانے والا راستہ"، چونکہ پانی ہر قسم کی نامیاتی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔

آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ (اللہ) سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ﴿لہذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو﴾۔ (المائدہ: 3)

مذکورہ بالا آیت قرآن مجید کے پیغام پر مہر ثبت کرتی ہے۔ یہ وحی عرفات (مکہ) میں بروز جمعہ 9 ذی الحجہ، 10 ہجری کو نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات سے تقریباً بیاسی دن پہلے۔ کوئی بھی قانونی شق یا حکم وغیرہ نہیں ہے جو اس آیت کے بعد نازل ہو ا ہو، اور یہ آیت اس بات کا حوالہ دیتی ہے کہ اللہ نے اسلام و ایمان کو مکمل کر دیا ہے اور اپنے پر ایمان لانے والوں پر اپنے انعامات و برکات کو مکمل طور پر نچھاور کر دیا ہے۔ انسان کی خدا کے سامنے خود سپردگی سچے مذہب کی اساس، یا قانونی بنیاد کے طور پر ظاہر کی جاتی ہے۔ یہ خود سپردگی نہ صرف اللہ پر ایمان کے اظہار کا باعث ہے بلکہ اس کے احکامات کی اطاعت کا بھی باعث ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تکمیل قرآنی کا اعلان اس آیت کے سابق میں شامل کیا گیا ہے جس میں نبی محمد ﷺ پر وحی میں سب سے آخری اسلامی قانونی آرڈیننسز کی وضاحت کی گئی ہے۔

مذہبی قوانین کی چار مراحل میں کاملیت

قرآن کے مطالعہ سے یہ واضح تاثر ملتا ہے کہ انسان کی جانب اللہ کی وحی چار بڑے مراحل طے کر کے آئی ہے۔ پہلے، ابراہیمؑ پر وحی کے ذریعے، اللہ نے توحید کی حقیقت کو ظاہر کیا، یعنی اللہ کی وحدانیت۔ دوسرے نمبر پر، موسیٰؑ کے ذریعے، اللہ نے دس احکام نازل فرمائے۔ تیسرا، عیسیٰؑ پر وحی کے ذریعے، جن پر اللہ نے یہ سنہری اصول وحی کیا کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں سے اپنوں جیسا پیار کرنا چاہیے۔ یہ سب ہستیاں مستند انبیاء تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اللہ کی نازل شدہ ہدایت کے تحت زندگی کے پلیٹ فارم میں ناگزیر فرمانبرداری کی زندگی گزاری۔

صرف ایک سوال کا جواب نہیں مل پایا، یعنی چوتھے سوال کا: ہمیں اپنے ہمسائے سے محبت کیسے کرنی چاہئے؟ اگر عیسیٰؑ کا طویل وقت ہوتا، یا انسانیت اتنی ترقی یافتہ ہو چکی کہ وہ اصلاحات کی صورتوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی، تو وہ (عیسیٰؑ) اپنے نظریات کو زیادہ منظم بنیادوں پر پیش کر سکتے ہوتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہو سکا تھا، سو عیسیٰؑ کا کام ادھورا رہ گیا تھا۔ لہذا اخلاقیات کے قوانین کو منظم کرنے کے لئے ایک اور استاد کو مخصوص کیا گیا تھا۔

اس پیچیدگیوں والی دنیا میں پڑوسی سے محبت کا تقاضا کیا ہے، وہ دنیا جس میں انسانی مفادات ایک دوسرے کے مفادات کو عبور کر کے الجھے پڑے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ایک آخری نبی کی ضرورت تھی، اور وہ محمد ﷺ تھے۔ باہمی تعلقات میں اسلام کا بنیادی مقصد عین وہی ہے جو عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کا تھا، یعنی کے آپس میں بھائیوں جیسی محبت رکھنا۔ اسلام کا مخصوص پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے اس طرح کے آئیڈیل نظریات کی نہ صرف وضاحت کرتا ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے تفصیلی تجاویز کو پیش کر کے عمل کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس آخری سوال کا جواب اس طرح سے دیا ہے کہ اس کے نتیجے میں محمد ﷺ کے ذریعہ دینی قانون کی کاملیت اپنے کمال درجے پر مکمل کر دی گئی، لہذا نبی ﷺ "انبیاء کرام کی مہر" کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔ اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے نبی ﷺ انبیاء کی اس باوقار فہرست میں سب سے آخر میں آتے ہیں، لیکن ان کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے۔ وہ انبیاء کی مہر "خاتم" ہیں، یعنی اللہ کی جانب سے بھیجے گئے سب سے آخری پیامبر۔ محمد ﷺ کے ذریعے اللہ نے اپنا آخری پیغام انسانیت کے نام بھیجا۔ اس کے بعد، کوئی بھی اس میں رد و بدل یا اضافہ نہیں کر سکتا۔

شریعت اور مغربی قوانین میں فرق

شریعت اور مغربی قوانین کے مابین دو اہم فرق ہیں، جن میں سے کوئی بھی امر کی آئین سے متصادم نہیں ہے۔

اسلامی قانون کا وسیع دائرہ کار

شریعت کا دائرہ بہت وسیع ہے کیونکہ یہ انسان کے تعلقات کو نہ صرف اُس کے پڑوسیوں اور ریاست کے ساتھ بہتر بناتا ہے، جو کہ اکثر قانونی نظاموں کی حدود میں شامل ہے، بلکہ شریعت کا یہ دائرہ کار اللہ کے ساتھ اور انسان کے اپنے ضمیر کے ساتھ بھی اس کے تعلق کو قائم کرتا ہے۔ یہ شریعت میں شامل ایک بہت بڑی بات بھی ہے، جس کا جدید دنیا والوں کے قانون میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی 6000 میں سے 600 آیات کا تعلق نماز اور رسوم کے معاملات سے ہے، جن کو "قانون" جیسے لفظ کی تعریف کے تحت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر، شریعت کا لفظ مذہب کو عزت دینے والی ہر چیز کو منظم کرتا ہے، یعنی عقائد یا ایمان، اور رسوم دونوں کو۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں / اصول و ضوابط کی پوری پابندی کرو!" (المائدہ: 1)۔

مذکورہ آیت میں "عہد یا اصول و ضوابط" کی اصطلاح ایک پختہ حلف یا شمولیت کو ظاہر کرتی ہے جس میں ایک سے زیادہ فریقین شامل ہوتے ہیں۔ اس آیت میں دو طرح کے معاہدوں یا اصولوں کا حوالہ دیا گیا ہے، جو انسان کی اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں کی تمام حدود کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

انسان اور اللہ کے مابین معاہدہ اسلام کے بنیادی عقائد (ایمان) میں شامل ہے۔ ایمان کے پانچ بنیادی اجزاء میں ایک خدا پر، تمام انبیاء پر، تمام نازل شدہ صحیفوں پر، فرشتوں اور قیامت کے دن پر ایمان لانا شامل ہے۔ شریعت میں فرائض کی دو اقسام میں مزید تقسیم کی گئی ہے: حقوق اللہ، اور حقوق العباد، جیسے اپنے کنبے اور معاشرے کے لئے انسان کی ذمہ داریاں۔ اللہ سے انسان کا عہد نامہ یا انسان پر عائد حقوق اللہ کو پانچ ستونوں میں تلخیص کر کے بیان کیا گیا ہے، یعنی کہ، ایمان لانا (اسلامی عقیدہ)، نماز، زکوٰۃ (یا غریبوں کی مدد کے لئے ٹیکس کی ادائیگی)، روزہ، اور حج (کہ مکرمہ کا زیارتی سفر)۔

خاندان اور معاشرے کے بارے میں انسان کی ذمہ داریوں میں لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، غلط کاموں سے اجتناب کرنا، دوسروں کو معاوضہ ادا کرنا اگر بالصورت ہم ان کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھیں، دوسروں کی بھائیوں اور نیکیوں کو فروغ دینا، ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا جو ہماری مدد کرتے ہیں، اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی قوانین معاشرے کو سدھارتے ہیں

اس کے بعد اب اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے۔ لہذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔ (سورہ جاثیہ۔

(20-18)

اس وحی میں قرآن مجید انسان کے لئے ایمان کا مقصد ظاہر کرتا ہے، تاکہ وہ سیدھے راستے پر عمل کرے۔ ان لوگوں کی پسند اور ناپسند کی حمایت نہ کرے جو بنیادی طور پر اللہ کے احکامات کی پیروی نہیں کرتے بلکہ وہ محض دنیاوی حالات کو بدلتا دیکھ کر ان کو حق سمجھ کر سیدھی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ ایک طرف، سیکولر قانونی نظام ان تقاضوں پر مبنی ہیں جو معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ دوسری جانب، اسلامی قانون کا بنیادی ضابطہ اخلاق اللہ کی مرضی پر مبنی ہے اور اخلاقی اقدار میں کسی بھی تبدیلی کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتا۔ اسلامی شریعت میں، یہ معاشرہ نہیں ہوتا جو قوانین کو ڈھالتا ہے اور ان کی تدوین کرتا ہے بلکہ دراصل قوانین ہوتے ہیں جو معاشرے کو ڈھال کر اس کی تدوین کرتے ہیں۔ شریعت اپنے اراکین کے اعمال کو منظم کرتی ہے اور جرمانے کے نفاذ کے ذریعہ قانون کو نافذ کر سکتی ہے۔

اسلام سے پہلے اور بعد کا عرب معاشرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی قوانین کس طرح معاشرے کا اخلاقی رجحان تبدیل کرتے ہیں۔ ہسٹن اسمتھ ساپنی کتاب "دی ریجنز آف مین" میں لکھتا ہے، "ہم اسلام سے پہلے اور اس کے بعد کے عرب کے فرق کو دیکھتے ہیں تو یہ پوچھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا تاریخ کبھی بھی اس طرح کی تقابلی اخلاقیات کی ترقی کی گواہی دیتی ہے کہ اتنے کم وقت میں بہت سارے لوگوں میں تبدیلی آئی ہو۔"

محمد ﷺ سے پہلے عملی طور پر قبیلوں کے مابین تشدد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ مال و دولت اور وراثت میں واضح عدم مساوات کو بے ضمیر ہو کر قبول کیا جاتا تھا۔ عورتوں کو انسان ہونے سے زیادہ مال و متاع سمجھا جاتا تھا۔ بجائے یہ کہنے کہ آدمی لامحدود تعداد میں بیویاں رکھ سکتا تھا، یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ عام خواتین کے ساتھ اس کے تعلقات اتنے عام اور زیادہ تھے کہ وہ پہلی یا دوسری بیوی کے بعد شاذ و نادر ہی شادی کا بندھن قائم کرتے تھے (بلا نکاح تعلقات رکھنا عام تھا)۔ بچوں کا قتل عام تھا، خاص کر لڑکیوں کا۔ شراب پینا اور بڑے پیمانے پر جو اکیلنا بھی عام تھا۔ "نصف صدی کے اندر، ان میں ہر ایک پہلو کی اخلاقیات میں ایک قابل ذکر تبدیلی آئی۔ اگر ہم پوچھیں کہ اسلام میں ایسا کیا تھا جو اس قابل تھا کہ اس معجزے جیسے مقصد کو پورا کرتا، تو ہم ایک ایسے مقام پر پہنچتے ہیں جس بارے میں ہم پہلے ہی ریمارکس دے چکے ہیں، یعنی اسلام کا نمایاں خصوصی منفرد امتیاز۔

اسلامی قانون کے ذرائع

قرآن مجید

اور جس کسی چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا ہے تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ وہی میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ (الشوریٰ-10)

شریعت کے دو بنیادی ماخذ قرآن اور سنت رسول ﷺ ہیں۔ سب سے پہلے قرآن مجید، خدا کا کلام ہے، جس کے واضح احکام سب سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔ روحانی ہدایت کا منبع ہونے کے علاوہ، قرآن مجید اخلاقی اور قانونی آرڈیننس کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی ہے۔ قرآن کی تقریباً اسی آیات قانونی عنوانات کو "قانون" کی اصطلاح کے اصلی معنی میں استعمال کرتی ہیں۔ کچھ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں: خاندانی قوانین، شادی، طلاق، وراثت، خاندانی زندگی، اور بچوں کی پرورش، معاہدہ و تعلقات، تجارت، گورننس، جرم، اور سزا کے اصول وغیرہ۔

مزید دنیاوی امور کے دائرے میں، شریعت اسلامیہ مسلمان کو حلال کھانے کی چیزوں، شراب اور سؤر کے گوشت کی ممانعت، جانوروں کے مناسب ذبح سے متعلق قواعد، اسلامی لحاظ سے قابل قبول لباس کے انداز، اور یہاں تک کہ شریعت اسلامیہ معاشرے کے آپس کے بہتر تعلقات کے لئے قواعد بھی بتاتی ہے۔

قرآن حکیم قوانین ایک تفصیلی کتاب نہیں ہے

قرآن مسلمانوں کا آئین اور ان کا لئے قانون کا پہلا منبع ہے۔ ایک آئین کے طور پر، قرآن مجید ایک عام قانون پیش کرتا ہے اور اس کے بارے میں شاذ و نادر ہی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ یہ وسیع، عمومی اخلاقی ہدایات پر مشتمل ہے۔ یعنی کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اور کس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اپنے وسیع دائرہ کار کے باوجود، قرآن ایک مکمل ضابطہ اخلاق تشکیل نہیں دیتا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: "اللہ تعالیٰ، جو سب سے زیادہ عزت والا ہے، اس نے کچھ فرائض عائد کئے ہیں، لہذا ان کو نظر انداز نہ کریں۔ کچھ حدود طے کر دی ہیں، لہذا ان سے تجاوز نہ کریں۔ اللہ نے کچھ چیزوں کو ممنوع قرار دیا ہے، لہذا ان کا ارتکاب نہ کریں۔ اللہ نے کچھ چیزیں آپ کے لئے بغیر کسی احکامات کے چھوڑی ہیں، یہ نہیں ہے کہ وہ ان کو بھول گیا ہے۔" کچھ معاملات قرآن مجید میں بغیر کسی حکم کے بیان کئے گئے تھے۔ کچھ معاملات کے بارے میں کچھ بھی بیان نہ کر کے، اللہ نے انھیں انسان کی آزادانہ مرضی پر چھوڑ دیا ہے، اس طرح یہ انسان کو اپنے ضمیر اور معاشرے کے بہترین مفادات کے مطابق عمل کرنے کا اہل بناتا ہے۔

سنت و حدیث

سنت نبی ﷺ کا باقاعدہ کر کے دکھایا گیا عمل ہے۔ حدیث سنت کا تحریری ریکارڈ ہے۔ حدیث یا احادیث کا مجموعہ یا نبی محمد ﷺ کی روایات، الفاظ، عمل اور صریح منظوری خود قرآن مجید کے دوسرے حق کے بطور تسلیم کی گئی ہے۔ سنت قرآنی احکام کی تکمیل کر سکتی ہے لیکن انہیں کبھی بھی ایک طرف جدا کر کے نہیں رکھ سکتی۔

جب قرآنی قوانین کو کسی تھوڑی سی کم مستند حدیث یا روایت کے ساتھ ملایا جاتا ہے، جو حضرت محمد ﷺ نے عمل کیا یا فرمایا، تو ہمیں اسلام کو انسان کے لئے سب سے زیادہ سماجی طور پائیدار مذاہب کی ہونے پر تعجب نہیں ہوتا۔ وہ مغرب والے لوگ جو ذاتی تجربے کے لحاظ سے مذہب کی تعریف کرتے ہیں، وہ کبھی بھی مسلمانوں کی طرح نہیں سمجھ پائیں گے، جن کا مذہب انہیں ایک مخصوص قسم کا معاشرتی نظام قائم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، جہاں غریبوں، مظلوموں، یتیموں، اور بیواؤں کے حقوق کو فراموش نہیں کیا جاتا۔ مذہب اور سیاست، مذہب اور معاشرہ، اسلام میں لازم و ملزوم ہیں۔ رسول ﷺ کی اطاعت کرو

نہیں، اے محمد! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔ (النساء - 65)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔ اور جو منہ موڑ گیا، تو بہر حال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔ (النساء - 80، 79)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (احزاب - 36)

مذکورہ بالا آیات میں ہر مسلمان پر ان آرڈیننس و فرامین کو قبول کرنے کی قطعی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، جسے نبی ﷺ نے الہی الہام کے تحت، قرآن مجید کی تفسیر اور وضاحت بیان کرتے ہوئے، مومنوں کو یہ موقع دیا کہ وہ اس حکم کو حقیقی حالات پر لاگو کریں۔ یہ آرڈیننس دراصل حضرت محمد ﷺ کی سنت (لفظی طور پر، "راستہ") کے طور پر بیان کیے گئے ہیں اور جب بھی کسی بھی شبہ کا امکان ہو، تو ہر شک سے بالاتر تصدیق کرتے ہیں کیونکہ ان کو پوری قانونی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ جب بھی قرآن مجید میں کوئی خاص قانون وضع کیا گیا جاتا یا نبی ﷺ کے حکم سے بطور حکم نامہ نافذ کیا جاتا ہے، مومنوں کا رویہ اور عمل متعلقہ قانون کی پیروی پر مشتمل ہونا چاہئے، نہ کہ اپنے مفادات یا تعصبات پر مشتمل ہو۔ وہ مسلمان جن کا یہ خیال ہے کہ بعض

احادیث کی مشکوک صداقت کی وجہ سے احادیث کے سارے ذخیرے کو کالعدم قرار دیا جانا چاہئے، وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ تمام احادیث کو رد کرنے کا مطلب ہے کہ اسلام کے دل کو تقسیم کر دینا۔

احادیث کے ذخیرے کی حدود

مذہبی نقطہ نظر سے احادیث کی حقیقت کو عام طور پر کسی بھی شک سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔ جب ہم زمینی اور انسانی امور کی بات کرتے ہیں تو نبی ﷺ اور دوسرے انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک حدیث نبوی ﷺ کے مطابق: "جب بھی میں تمہیں دین سے متعلق کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہوں تو اس کی اطاعت کرو، اور اگر میں تمہیں اپنی رائے کے مطابق کچھ کرنے کا حکم دوں (تو اس بات کو یاد رکھو) میں انسان ہوں۔"

احادیث کو جمع کرنے کا طریقہ کار

جبکہ قرآن کو خدا کا کلام سمجھا جاتا ہے، احادیث کو وقت کے ساتھ ساتھ ایک سخت اصولوں والے لیکن واضح طریقہ کار کے تحت جمع کیا گیا۔ تنقید کا ایک بنیادی مسئلہ ہے - یعنی کہ، یہ معلوم کرنے میں دقت پیش آنا کہ حدیث میں کتنا مواد موجود ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں کا ایک مستند ریکارڈ ہے اور اس کا کتنا حصہ ایسا ہے جو اسلام میں ضم کر دیا گیا ہے جو کہ درحقیقت اس سے خارج باہر کے ذرائع سے داخل کیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران، ان کے بہت سے ساتھیوں نے ان کے اقوال کو اپنے پڑھنے اور یاد رکھنے کے لئے لکھ لیا تھا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اور اسلامی سلطنت کی توسیع کے ساتھ ہی، امت مسلمہ کی طرف سے احادیث کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے دو سو سال بعد تک احادیث جمع کرنے کا عمل جاری رہا۔ احادیث کو لکھنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے صحابہ اور مشاہدہ کرنے والوں کی پہلی گواہی حاصل کر کے ایسا کیا۔

اور تابعین اور تبع تابعین کی دوسری گواہی کے ذریعے بھی جو انہوں نے صحابہ سے ذریعے پائی۔

انسانوں کی یادداشت کی خرابی

طویل عرصے سے انسان کی یادداشت ناقص رہی ہے۔ صحیح البخاری کا کام حدیث نبوی ﷺ کے تمام کاموں میں سب سے مشہور ہے۔ امام بخاری نے تقریباً 300,000 احادیث اکٹھی کیں لیکن انہوں نے تقریباً 7275 کا مستند کے طور پر انتخاب کیا۔ انکو 727،292 احادیث ایسی ملیں جن کی تصدیق صحیح حدیث کے طور پر نہیں ہو سکتی تھی۔

اس سے قطع نظر کہ وہ کتنے ہی باریک بین اور مکمل علمائے کرام تھے، سو فیصد مستند احادیث کو پیش کرنا انسانی طور پر ناممکن تھا۔

ضعیف احادیث

احادیث کو جمع کرتے وقت، ضعیف اور موضوع احادیث بھی گھڑی جارہی تھیں، یا تو حکمرانوں اور بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے یا دین اسلام کی ہدایت میں بدعنوانی کرنے کے لئے۔ اس حقیقت کا ذکر صحیح البخاری کے تعارف میں ہوا ہے۔ اسی دور میں تحریری احادیث کا ذخیرہ مرتب کیا جا رہا تھا، اور اس مواد کو بھی اکٹھا کیا جا رہا تھا جو نبی ﷺ نے نہیں سکھایا تھا بلکہ انتہائی مہارت سے غیر معمولی مضر تعلیمات کو آہستہ آہستہ بنیاد میں شامل کر دیا گیا تھا، جس نے لوگوں کو قرآن کی متحرک تعلیمات سے دور کر دیا۔

مسلم علماء کی ایک اہم شخصیت امام النسائی بھی تھے۔ وہ حدیث کے نقائص / ضعف اور راویوں کے حالات سے متعلق وسیع آگاہی کے لئے مشہور تھے۔ امام النسائی نے چار افراد کو جھوٹا ہونے کے طور پر شناخت کیا تھا جو جھوٹی احادیث گھڑتے تھے۔ بغداد کا الوقیدی، مدینہ کا ابراہیم ابن ابی یحییٰ، خراسان کا مقاتل، اور شام کا محمد بن سعید، جھوٹی احادیث گھڑنے کے لئے مشہور تھے۔

الواقدی

الواقدی کو ایک ناقابل اعتماد راوی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی گئی ہے اور اس کو علمائے کرام نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ چنانچہ محدث علمائے کرام کی اکثریت نے اس کی روایات ترک کر دی تھیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا: "الوقیدی نے پیغمبر ﷺ کے بارے میں 20000 جھوٹی حدیثیں بیان کیں۔" امام الشافعی، امام احمد ابن حنبل، اور البانی نے اسے جھوٹا کہا ہے، جبکہ امام بخاری نے کہا ہے کہ انہوں نے اپنی حدیث کے ذخیرے میں الواقدی کا ایک حرف بھی شامل نہیں کیا۔ بہر حال، اسلام کے ایک اہم نقاد، ولیم موی نے اپنی کتاب لائف آف محمد ﷺ میں اکثر جگہ حوالہ دیا ہے، کہ الواقدی نے نبی ﷺ بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابو ہریرہؓ

الواقدی جیسے خناس کوگوں کے مقابلے میں ابو ہریرہؓ جیسے عظیم المرتبت لوگ بھی ہیں۔ ابو ہریرہؓ حدیث کے ایک بہت ہی مشہور راوی تھے۔ دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے انہیں بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابو ہریرہؓ کو سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔

حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھیوں جیسے ابو بکرؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی ابن ابی طالبؓ، اور دیگر نے ابو ہریرہؓ کے مقابلے میں احادیث کی سب سے کم تعداد نقل کی ہے۔

ضعیف و موضوع احادیث کے مسلم معاشرے پر منفی اثرات

قرآن مجید پر احادیث بالادستی کا تاثر آج مسلم معاشروں میں پھیل رہا، جو کہ اس لئے ایک غلط فہمی ہے کیونکہ بہت سارے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ ناقابل اعتراض ہے اور اس کو ایک قانونی اختیار حاصل ہے، بالکل قرآن مجید کی طرح ہے۔ اگر تو احادیث میں ضعیف اور موضوع احادیث گھڑ کر بیان نہ کی گئی ہوتیں، تو معاملہ کچھ اور تھا۔ مگر چونکہ اسلام دشمن عناصر نے کچھ موضوع احادیث گھڑ کر صحیح ذخیرہ احادیث میں شامل

کرنے کی ناپاک جسارت کی تھی، اس لئے اب امت مسلمہ کو سوچ سمجھ کر اور سازشوں سے بچ کر چلنے کی ضرورت ہے۔ اس بات کا موازنہ ان انجیلوں سے کیا جاسکتا ہے، جو یسوع کی وفات کے بہت سال بعد لکھی گئی تھیں۔ تمام احادیث کے مجموعوں کو ناقابل اعتراض نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ دراصل کچھ سازشی عناصر نے ان میں موضوع احادیث گھڑ کر شامل کر دیں ہیں اس لئے تمام احادیث کو دیکھ اور پرکھ کر چلنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر:

- کچھ احادیث قرآنی تعلیمات کے منافی ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ ان سات جلدوں کے مطالعہ کے دوران، مصنف نے بہت ساری احادیث کی نشاندہی کی ہے جو قرآن کے مخالف ہیں۔ مثال کے طور پر، چند موضوع احادیث میں بعض لوگ نبی ﷺ کی جانب کئی جھوٹے معجزات بھی منسوب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کئی لوگوں نے پیغمبر اکرم ﷺ اچھے کردار پر خوفناک گند ڈالنے کی کوشش کی ہوئی ہے (نعوذ باللہ)
- بعض جھوٹی اور ضعیف احادیث اسلام میں فرقہ واریت کا سبب بنتی ہیں، جو اسلامی تہذیب میں زوال کی ایک بڑی وجہ ہے۔ شیعہ اور سنی فرقوں کے مابین اختلافات بھی کئی مرتبہ ضعیف احادیث کی وجہ سے ہوتے ہیں۔
- اسلام کے ناقدین اسلام پر حملہ کرنے کے لئے اکثر ضعیف احادیث کا استعمال کرتے ہیں۔

روایات کی قرآن مجید کے ذریعہ تصدیق کی جاسکتی ہے

قرآن کو سونے جیسا معیار سمجھا جاتا ہے، اور کوئی بھی حدیث جو واضح طور پر قرآن کی تعلیم کے منافی ہو اسے تحقیق کے بعد موضوع احادیث کے ذخیرے میں سمجھا جانا چاہیے۔ یہ ابن خلدون کے فارمولے کے مطابق ہے، جس کے مطابق صحیح روایات کی قرآن کے ذریعے توثیق اور سلسلہ صحیحہ کی اسناد کے مطابق تصدیق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی قانون کے ثانوی ماخذ

اجماع

جو مسئلہ درکار ہوتا ہے، مندرجہ بالا دو بنیادی ماخذوں میں اسے ڈھونڈنے میں ناکامی پر، وکیل یا مسئلے کا فیصلہ کرنے والا علمائے کرام اور کمیونٹی کے اتفاق رائے سے کسی مسئلے کی جانب رجوع کر سکتا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا، "میری امت کسی غلطی پر اجماع نہیں کرے گی" (ترمذی)۔ "نبی ﷺ کی زندہ سنت" کو زندہ رکھنے کے لئے پوری نیک نیتی سے جدوجہد کرنے والی امت یہ سوچ سکتی ہے کہ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو نبی ﷺ کیا کرتے۔ یہ اصول اسلام کے روایت پسندانہ نقطہ نظر کی جانب ایک اشارہ ہے اور معاشرے کی زندگی کے لئے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اتفاق رائے (اجماع) نے اسلامی قانون کی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ اجماع ایک قاعدے یا قانون سے متعلق اکثریت کے معاہدے کی نمائندگی کرتا ہے، یا تو مسلم معاشرے کے ذریعے یا خاص طور پر مسلم علماء کے ذریعہ۔ جدید دنیا میں اتفاق رائے کے نظریہ کو مفید بنانے کی کوششوں کے لئے مشاورت کے نظریات (شوری) اور پارلیمنٹ ازم کا استعمال کیا جاتا ہے۔

تشبیہاتی استدلال

اسلامی قانون میں، قرآن و سنت سے فقہی اصولوں کے استنباط پر تشبیہاتی استدلال کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب نئے حالات یا مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو علماء قرآن و سنت میں اسی طرح کی ملتی جلتی صورت حال کی تلاش کرتے ہیں۔ یہ شریعت کے اصول کے پیچھے کارآمد وجہ یا وجہ کی کلیدی کھوج ہے۔ اگر کسی نئی صورت حال یا معاملے میں اسی طرح کی وجہ کی نشاندہی کی جاسکتی ہو، تو پھر کیس کو حل کرنے کے لئے فیصلہ میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، قرآن مجید میں منیات کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے اور ابتدائی مسلمانوں کو اس کا معلوم بھی نہیں تھا۔ قرآن مجید میں شراب کے استعمال پر واضح طور پر پابندی ہے۔ تشبیہاتی طور پر بات کی جائے تو، طبی وجوہات کے علاوہ، نشہ آور ادویات کا استعمال بھی ممنوع ہے، کیونکہ شراب کے نشے کی طرح ان کے بھی اسی طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ججوں کا کردار

اپنی زندگی کے دوران، پیغمبر ﷺ نے امت کے اعلیٰ ترین جج کی حیثیت سے کام کیا اور پیدا ہونے والے قانونی مسائل کو قرآن کی عام شقوں کی ترجمانی اور توسیع کر کے حل کیا، اس طرح ایک قانونی روایت قائم کی جسے ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہنا تھا۔ نبی ﷺ کے سیاسی جانشینوں کے ماتحت اسلامی دائرے کی تیزی سے توسیع کے ساتھ، مسلم جمہوریہ انتظامی طور پر زیادہ پیچیدہ ہو گئی اور ان سرزمینوں کے قوانین اور اداروں کے ساتھ رابطے میں آگئی جن پر مسلمانوں نے فتح حاصل کی تھی۔ مختلف صوبوں اور اضلاع میں ججوں یا قاضیوں کی تقرری کے ساتھ ہی ایک منظم عدلیہ وجود میں آئی۔ قاضی انتظامی اور مالی قانون کی بڑھتی ہوئی امور کے ذمہ دار تھے، اور انہوں نے فتح شدہ علاقوں میں عملی طور پر رومن بازنطینی اور فارسی سوسیائی قانون کے عناصر اور اداروں کو اپنایا۔

ایک انفرادی قاضی کی صوابدید پر انحصار کرتے ہوئے، عدالتی فیصلے قرآن کے ان اصولوں پر مبنی ہو سکتے تھے جن سے یہ متعلق تھے، لیکن مدینہ کے دور میں قرآنی قوانین کو جس تیزی سے مرتب کیا گیا تھا وہ سرگرمیوں کے بڑھتے ہوئے افق کے ساتھ کھو گئے تھے۔ مسلم شریعہ، شریعت کے عین مطابق شرائط کا پتہ لگانے کی سائنس ہے، اسے فقہ (لفظی طور پر، "تفہیم") کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آٹھویں صدی کے دوسرے نصف حصے کے آغاز سے، فقہ کی زبانی ترسیل اور نشوونما نے ایک تحریری قانونی ادب کو راستہ دیا جس میں قانون کے مادے اور اسے اخذ کرنے اور جواز کے لئے مناسب طریقہ کار کی تلاش کے لئے وقف کیا گیا تھا۔

قرون وسطیٰ کے پورے دور میں، بنیادی نظریے کی وضاحت کی گئی اور ایک بڑی تعداد میں تفصیلات کو ترتیب دیا گیا، اور اسی طرح اس دوران شائع ہونے والے مضامین شریعی قانون کی روایتی اتھارٹی رکھتے ہیں۔

اسلامی فقہ

فقہ اللہ کی رضا کے خصوصی اصولوں کا ترجمہ کرنے کی انسانی کوششوں کا نام ہے۔ یہ فقہ کی سائنس ہی ہے جو ماحذ مواد سے قانون کے اصول اخذ کرتی ہے اور متعدد موٹی جلدوں میں لکھی جاتی ہے۔

اسکولز آف لاء

قرآنی قانون کی تشریح میں فقہ کے اصولوں کے بارے میں اختلافات ہیں۔ پہلی اور دوسری اسلامی صدیوں میں، متعدد اسکول آف لاء سامنے آئے، ہر ایک مختلف نقطہ نظر کے ساتھ اور ہر ایک دوسرے کے ساتھ کوئی نہ کوئی اختلاف رکھتا تھا۔ تیسری اسلامی صدی تک، پانچ مکاتب فکر ابھرے اور اب تک زندہ ہیں۔ ہر اسکول کا تعلق ایک ممتاز فقیہ کے نام سے ہے جن کی تعلیمات کو اس اسکول آف تھٹا نے اپنایا ہے۔

- پیروکاروں کی سب سے بڑی تعداد عراقی فقیہ ابو حنیفہؒ کے اسکول سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔
- الشافعیؒ کو فقہ کی سائنس کے لوازمات تخلیق کرنے کا اعزاز حاصل ہے، انہوں نے فقہ کے چار اصول / ذرائع / اجزاء نامزد کیے، جو اہمیت کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس (تشبیہ کا طریقہ) ہیں۔
- مالک ابن انسؒ، مدینہ کے روایت پسند، تیسرے اسکول کے بانی تھے۔
- سب سے کم تعداد والا اور سختی سے دین کے اصولوں کی پابندی کرنے والا اسکول احمد بن حنبلؒ کا ہے، جو اس وقت صرف عرب تک ہی محدود ہے، جہاں ان کی غیر متضاد روایت پسندی کا حریت پسند اہلحدیث (وہابی) فرقے سے تعلق ہے۔
- شیعہ مسلک کے مسلمان جعفر بن محمد الصادق کے مکتبہ فکر کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ علیؑ کے جانشین تھے اور خود بھی ایک ممتاز مسلم فقیہ تھے۔ وہ ایک مشہور اسلامی اسکالر تھے اور شیعہ اور سنی دونوں ہی مسلمان ان کی عزت کرتے ہیں۔

فقہ کی حدود

شریعت اور فقہ دو مختلف تصورات ہیں۔ شریعت سے مراد ایسی کوئی چیز ہے جو خدائی اور بغیر کسی شبے کے ہے، اور مؤخر الذکر غلطی کا سبب ہو سکتی ہے اور اس میں بحث و مباحثہ اور تبدیلی ہو سکتی ہے۔ مسلم قانونی اسکالر اپنے زوال کے اسباب سے بہت واقف تھے، اور اگرچہ ان کے کام کا مقصد اللہ کا قانون تھا، مگر وہ اللہ کے لئے بات نہیں کرتے۔

آزادانہ سوچ کی روایت

ایک روایت کے مطابق، جب پیغمبر ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو آپ نے معاذ سے پوچھا، "آپ کس فیصلے کے مطابق فیصلہ کریں گے؟"

معاذ نے جواب دیا، "قرآن کے مطابق۔"

پھر نبی ﷺ نے پوچھا، "اور اگر آپ کو اس میں کچھ بھی نہ ملے؟" معاذ نے کہا، "سنت رسول ﷺ کے مطابق۔"

"اور اگر آپ کو اس میں بھی کچھ نہ ملا تو؟"

معاذ نے جواب دیا، "تب میں اپنے فیصلے کے لئے خود سے اجتہاد کروں گا۔"

نبی ﷺ ان کے جواب پر خوش ہوئے۔ یہ حدیث قانونی معاملات میں تنقیدی سوچ اور انفرادی فیصلے کے کردار کو ظاہر کرتی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد انفرادی فیصلے کی ضرورت اس وقت پیدا ہوئی، جب اسلام کی وسعت پذیر سلطنت کا قرآن اور سنت کے دائرے سے دور معاشروں اور حالات سے تعلق قائم ہوا۔ ابتدائی مسلم اسکالرز کا انفرادی فیصلے کے عمل میں کافی تجربہ تھا، جسے "روشنی کی کرن" کہا جاتا تھا۔ آزاد فیصلے کو تب تک جائز سمجھا جاتا تھا جب تک کہ وہ فیصلہ دور دراز کے مسائل کی حدود میں بھی نئے اور غیر متوقع حالات کے حل کے لئے بنیادی شرعی اصولوں کو اپناتا تھا۔

اسلام کی پہلی چار صدیوں میں قانونی معاملات کے سلسلے میں بھرپور بحث اور لچک دیکھنے کو ملی؛ یہ اجتہاد کی روایت تھی، یا آزادانہ فیصلہ اور تنقیدی سوچ۔ ابتدائی صدیوں میں، اسلامی قانون کی نشوونما کے ساتھ، اجتہاد کی ضرورت کی وجہ نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا، کیوں کہ خلیفہ، جج، فقہاء، اور قانونی علماء نے ایسے قوانین کی ترجمانی کی جن کے بارے میں کوئی واضح، مخصوص متن یا اتفاق رائے موجود نہیں تھا۔ ابو حنیفہؒ، جو کہ ایک عراقی فقیہ تھے، تخلیقی سوچ اور تشبیہاتی استدلال کے استعمال کے سرخیل تھے۔

وجہ کے ساتھ وحی کا انضمام

ایک عظیم اسلامی اسکالر، فلسفی، اور عالم دین، الغزالی، نے علت و وحی کے مابین درمیانی راستہ اختیار کیا: "نیک ترین علوم وہ ہیں جن میں دلیل اور شواہد کا نکاح کر دیا جاتا ہے اور جن میں وجہ کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ جو وحی پر مبنی ہیں۔ فقہ کی سائنس ان علوم میں سے ایک ہے۔ یہ وحی کی پاکیزگی اور بہترین علت سے یکساں طور پر منسلک ہوتی ہے۔ اس کے باوجود، فقہ مکمل طور پر ایسے استدلال پر انحصار نہیں کرتی، جو وحی کے ذریعے نازل کردہ قانون کے لئے ناقابل قبول ہو، اور نہ ہی یہ اندھی تقلید کی بنیاد پر ہے، جس کی علت کی جانب سے معاونت نہ کی جاسکے۔"

اسلامی قانون کی تعمیل

علت کے دروازوں کی بندش

الشافعی مالک ابن انسؒ، اور احمد ابن حنبلؒ نے قانونی اصولوں کی جانچ میں نجی فیصلے کی مشق کو تقریباً مکمل طور پر خارج کر دیا تھا۔ اسوہ حسنہ کی طاقت، کلام پاک اور روایات کی پاسداری، یہ سب پوری طرح ان پر لاگو تھا۔ اجتہاد کو ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا تھا کیونکہ تمام اہم قانونی سوالات کو پہلے ہی جواب دیا گیا سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی وحی کی نئی تفاسیر ایک جرم بن گیا۔ گیارہویں صدی کے اختتام تک، اختلافی نظریات کو تیزی سے ایک مسئلے کے طور پر دیکھا جا رہا تھا، اور مطلق العنان حکمران اختلاف رائے سے پریشان تھے۔ لہذا "اجتہاد کے دروازے" سنی مسلمانوں کے لئے بند کر دیئے گئے تھے۔ شیعوں (اقلیتی شاخ) نے اس سلسلے میں کبھی بھی سنیوں کی پیروی نہیں کی اور عملی طور پر، شیعوں کا قانون سنیوں کے مقابلہ میں تھوڑا زیادہ لچکدار ہے۔

تقلید کی ڈاکٹر ان

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔ (لقمن - 21)

قرآن کی جانب سے مختلف رائے رکھنے کی اجازت کی تصدیق کرنے کی بجائے، جو متنوع آراء کے وجود کی اجازت دیتا ہے اور مسلمانوں کو اپنی عقل کو مستقل طور پر استعمال کرنے کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس کے الٹ شدت اختلاف اور اندھی اطاعت ایک رسم بن گئی۔ تقلید کی ڈاکٹر ان، یا مطلب کہ کسی کے باپ دادا کے مذہب یا مذہبی علماء کی آنکھیں بند کر کے پیروی کرنا، قرآن کے ذریعہ اس کی سخت مذمت کی گئی ہے، جس کا ثبوت مندرجہ بالا آیت سے بھی ملتا ہے۔

سنی فتنہائے کرام کی بعد کی تمام نسلوں کو تقلید کا پابند سمجھا جاتا تھا، جو اپنے عظیم پیشروؤں کی قبولیت کو بلا کسی شک کے مستند قرار دیتے تھے، اور قائم کردہ مثالوں سے قانونی رائے اخذ کر سکتے تھے۔ جو کچھ کرنے کو باقی بچا تھا وہ محض یہ تھا کہ مذہبی حکام کی ہدایات کو مانا جاتا تھا؛ اور اخلاقیات کو سمجھنے کے لئے، صرف قانونی فرمانوں کو پڑھنے کی ضرورت تھی۔ ایسے دانشور جنہوں نے اس فکری، عدم استدلال کی تحریک کے خلاف مزاحمت کی، وہ بد نظمی سے دوچار ہو گئے۔ مثال کے طور پر ابن رشد کو بدعات کے سبب ملک بدر کر دیا گیا، اور اس کی کتابیں جلادی گئیں۔

اسلامی تہذیب کا زوال

خالق اور اس کی تخلیق کے اذہان کے مابین رابطہ منقطع ہونا آج کے دور میں اسلام کے سب سے گہرے زوال کا باعث ہے۔ استدلال اور تنقیدی سوچ کے ترک ہونے کے نتیجے میں، اسلامی تہذیب کا زوال شروع ہوا، اور یورپ کے تاریک دور کی تیز ہواؤں نے اپنی سمت اسلامی دنیا کی جانب کر دی۔ جب اندھیرے اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے، یورپ عقلی سوچ پر مبنی ایک بے مثال روشن خیالی کے دور میں سامنے ابھرا، جو انسان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ علت کو ترک کرنے کی وجہ سے، مسلم مفکرین اسلامی تہذیب کے ضیاع پر سو گوار ہوئے، جس سے ہم ابھی تک مکمل طور پر نکل نہیں سکے۔

سیاست اور اسلامی قوانین

خدا کی زمین پر کہیں بھی بسنے والے مسلمان اپنی نجی زندگی میں شریعت پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ کوئی بھی کسی مسلمان کو نماز پڑھنے، صدقہ کرنے، روزہ رکھنے اور اس طرح سے اعمال کرنے سے روک نہیں سکتا۔ وہ مسلمان جو آزاد، سیکولر معاشروں میں رہتے ہیں انہیں اپنے آپ کو اسلامی قوانین سے آشنا کرنا چاہئے اور ان کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق عملی جامہ پہنانا چاہئے۔

مکہ مکرمہ کے دور میں، پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کے پیروکار سخت ظلم و ستم کے تحت اسلام پر عمل پیرا تھے۔ اسلامی ممالک میں سیاستدانوں کے ذریعہ استعمال ہونے والی ایک مقبول سیاسی چال یہ ہے کہ وہ ریاستی ڈھانچے کے ذریعہ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ چونکہ سیاستدان کسی بھی متعصب، فرقہ وارانہ گروہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے، لہذا وہ سینکڑوں سال پہلے لکھے گئے بہت سے فرسودہ قوانین کے مختلف حصوں کو نافذ کر دیتے ہیں۔

موجودہ دور کی شریعت کی بعض غلطیاں کیا ہیں

اسلامی قانون کے نفاذ کا مقصد ایک اسلامی معاشرے کے لئے اخلاقی تعلق اور کچھ حدود قائم کرنا ہے۔ ان قوانین کی تشکیل میں، کلیدی اصول جس پر عمل کیا جانا چاہئے وہ یہ ہے کہ قرآن کی روح کے خلاف کوئی بھی قانون ناقابل قبول ہے۔ یہ ممکنہ طور پر زنا، جوئے، فحاشی، شراب نوشی اور دیگر

برائیوں کو معاشرے کا معمول بننے سے روکے گا۔ نام نہاد اسلامی ریاستوں میں موجودہ شریعت کے قوانین قرآن و سنت کے کچھ بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ذیل میں کچھ مثالیں ہیں۔

فرقہ واریت

سیاست دانوں کے ذریعہ نام نہاد اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوشش کا نتیجہ عام طور پر بنیادی طریقوں سے قرآن کے اصولوں کی خلاف ورزی ہوتا ہے۔ سنیوں اور شیعہ کے لئے مختلف قوانین طے کرنے نے اسلام کا اتحاد اور بھائی چارہ توڑ دیا ہے۔ یہ فرقہ واریت کو قانونی حیثیت دینے کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت کو باقاعدہ رائج کرتا ہے، جو درحقیقت ایک جان لیوا گناہ ہے جس کے نتیجے میں انسانی روحوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

امریکہ کا ایک ہی آئین اور قوانین کا ایک مجموعہ ہے جو تمام شہریوں پر مذہب، ذات پات، نسل سے قطع نظر لاگو ہوتا ہے۔ اسی طرح، مسلمانوں کے لئے، خدا کا صرف ایک ہی قانون ہے جو زیادہ تر قرآن اور مستند سنت پر مبنی ہے۔ اسلامی ریاستوں کو فرقہ واریت کے کینسر اور تقلید کے اسلام مخالف تصور کی حوصلہ شکنی کے لئے تمام مسلمانوں پر لاگو ہونے والا واحد، جامع اسلامی قانون تشکیل دینا چاہئے۔ تمام نقصان دہ عقائد کی نشاندہی کرنے اور ان عقائد کو پاک کرنے، اور قرآن مجید میں سکھائے گئے اصل نظریہ کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے۔

آزادی کا فقدان

قرآن حکیم نے "رضامندی اور مشاورت" کے ذریعہ منتخب کردہ حکومت قائم کی ہے۔ آمریت اور بادشاہتیں فطری طور پر غیر اسلامی ہیں۔ غیر اسلامی طرز عمل میں جمہوریت، مذہب کی آزادی، اور اظہار رائے کی آزادی کا احترام نہیں کیا جاتا اور اقلیتوں کو اکثریت کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔

خواتین کا دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت

مدینہ میں امت کی پہلی خواتین نے اپنی عوامی زندگی میں بھرپور حصہ لیا، اور بعض نے مختلف جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ ایسا نہیں لگتا تھا کہ انہوں نے اسلام کا ایک جابر مذہب کے طور پر تجربہ کیا ہو گا۔ بعد میں، مردوں نے ایمان کو ہائی جیک کر لیا اور خواتین کو خدا کی جانب سے عطا کردہ آزادی دینے سے انکار کر دیا۔ شہری کے طور پر عورت کے حقوق میں۔ تعلیم، مراعات اور پیشے کی شناخت میں۔ قرآن نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ مکمل مساوات کا راستہ کھولا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "اے خواتین! آپ کو خدا نے اپنی ضروریات کے لئے باہر جانے کی اجازت دی ہے۔" جب ایک عورت نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ صرف مرد ہی نبی ﷺ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک خاص

دن مقرر کیا۔ اسلامی قانون کے تحت خواتین آزاد اخلاقی افراد ہیں، بالکل جیسا کہ مرد ہیں، اور ان کو اپنے مذہب کو انتخاب کرنے کا حق اور ذمہ داری ہے۔ خواتین کو نہ صرف گھروں سے باہر جانے کی اجازت ہے، بلکہ انہیں نقل و حرکت کی آزادی کا بھی حق حاصل ہے۔

سزائے موت

قرآن مجید میں سزائے موت دینے کی صرف قتل یا غدار کی جرم کی صورت میں اجازت ہے۔ قتل کی صورت میں، اگر متاثرہ کے اہل خانہ معاشی معاوضے کو قبول کرتے ہیں تو، سزائے موت کی چھوٹ دی جاتی ہے۔ منشیات فروشوں، ہم جنس پرستوں، زانیوں، حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بننے والوں، وغیرہ کو سزائے موت دینے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں سنگسار کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ کچھ مستثنیات کے ساتھ، اسلامی قوانین کے تحت سزائے موت ختم کر دی گئی ہے۔

اخلاقیاتی پولیس

قرآن مجید شہریوں کی جاسوسی کی مذمت کرتا ہے۔ بعض نام نہاد اسلامی ممالک میں، "اخلاقیاتی پولیس" شہریوں کو معمولی خلاف ورزیوں کے لئے ہراساں کرنے کے لئے سرگرمی سے جاسوسی کرتی ہے۔

سیکولر قوانین

اکیسویں صدی کی جدید شریعت کو سائنسی قوانین کے ساتھ ملا کر دیکھا جانا چاہئے جیسا کہ سائنسی ثبوت جن میں فنکر پرنٹ، ڈی این اے ٹیکنالوجی، ٹریسنگ کے ثبوت، اور تعزیری ضابطے میں شامل دیگر لاتعداد سائنسی پیشرفتیں شامل ہیں۔ فارسیٹک سائنس یعنی شاہدین کے قانون، جو کہ دراصل اسلامی مجرمانہ قانون کی اساس ہے، سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے۔

4

اسلامی قانون کے عمومی اصول

حلال و حرام

دیکھئے: بتاؤ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھو: کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو؟ (سورہ یونس - 59)

قرآن مجید یا نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے ذریعہ کوئی بھی چیز جو واضح طور پر منع نہ ہو وہ جائز ہے (حلال)۔ جس کے بارے میں قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ نے چھوڑ دیا ہے اور کچھ نہیں بتایا، یعنی نہ اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی اس کی ممانعت کی ہے، وہ جائز ہے۔ یعنی وہ چیز نہ منع ہے اور نہ ہی لازم ہے۔ صرف قرآن مجید یا پیغمبر ﷺ نے جو کچھ بھی منع کیا وہ غیر قانونی ہے (حرام)۔

قرآن کا پلکدار اور متحرک پیغام

اے ایمان والو! ایسی باتوں سے متعلق سوال نہ کرو جو اگر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں گراں گذریں اور اگر تم ان کی بابت ایسے زمانے میں سوال کرو گے، جب قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا اور اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔ اسی طرح کی باتیں تم سے پہلے ایک قوم نے پوچھیں تو وہ ان کے منکر ہو کر رہ گئے۔ (سورہ المائدہ - 101-102)

مذکورہ بالا آیات کا سبق یہ ہے کہ قرآنی احکامات سے کسی خاص چیز کو کم نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے سے مومنین پر قرآن مجید میں قانون کے متعلق جو کچھ مقرر کیا گیا ہے، اس سے زیادہ اضافی بوجھ پڑ سکتے ہیں۔

اپنے ایک خطبے میں، نبی ﷺ نے فرمایا، "اے میری قوم! اللہ نے آپ کے لئے زیارت [حج] مقرر کیا ہے۔ لہذا، اسے انجام دیا کرو۔" اس کے بعد کسی نے پوچھا، "ہر سال، اے اللہ کے رسول ﷺ؟" نبی ﷺ خاموش رہے، اور اس شخص نے اپنا سوال دو بار

دہرایا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا، "اگر میں نے ہاں میں جواب دیا ہوتا؛ ہر سال حج کرنا آپ پر لازم ہو جاتا: اور واقعاً یہ امت سے نہ ہو سکتا۔ مجھ سے ان معاملات کے بارے میں مت پوچھا کریں جن کو میں چھوڑ دیتا ہوں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی ایسے لوگ موجود تھے جن پر عذاب ہوا، کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء سے بہت سارے سوالات کئے تھے اور اس کے بعد ان کی تعلیمات سے اختلاف کیا تھا۔ لہذا، اگر میں آپ کو کچھ بھی حکم دیتا ہوں تو، جتنا آپ کر سکتے ہیں اسے سرانجام دیں؛ اور اگر میں آپ کو کسی چیز سے منع کرتا ہوں تو اس سے پرہیز کریں۔"

ایک گائے کی قربانی اور قانونی طور پر بالوں کو الگ کرنا

گائے کی قربانی کا واقعہ کسی عام حکم سے کوئی خصوصیت نکالنے کی کوشش کی ایک اور مثال ہے۔ اس واقعے میں موسوی قانون کا حوالہ دیا گیا ہے، جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حل نہ ہو سکنے والی قتل کی بعض صورتوں میں گائے کی قربانی دی جانی چاہئے۔ قتل کی جگہ کے قریب واقع قصبے یا گاؤں کے عمائدین کو قتل کی جگہ پر اپنے ہاتھ دھو کر یہ اعلان کرنا تھا کہ، "ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں بہایا، اور نہ ہی ہماری آنکھوں نے اسے دیکھا۔" جس کی وجہ سے اس امت نے اجتماعی ذمہ داری سے بری ہو جانا تھا۔ عہد نامہ کے اس پرانے آرڈیننس کی تفصیلات کے لئے، ڈیوٹرنامی دیکھیں 21-91۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک نیل ذبح کرو۔ وہ بولے، کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو۔ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ نیل کس طرح کا ہو۔ (موسیٰ نے) کہا کہ پروردگار فرماتا ہے کہ وہ نیل نہ تو بوڑھا ہو اور نہ چھڑا، بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو۔ جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے، ویسا کرو۔ انہوں نے کہا کہ پروردگار سے درخواست کیجئے کہ ہم کو یہ بھی بتائے کہ اس کارنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا، پروردگار فرماتا ہے کہ اس کارنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ (اب کے) پروردگار سے پھر درخواست کیجئے کہ ہم کو بتادے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو، کیونکہ بہت سے نیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں، (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ نیل کام میں لگا ہوا نہ ہو، نہ تو زمین جو تباہ اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو۔ اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے، اب تم نے سب باتیں درست بتادیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس نیل کو ذبح کیا، اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، تو اس میں باہم جھگڑنے لگے۔ لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے، خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا (البقرہ: 67-72)

طنز کا الزام اس لئے عائد کیا گیا کیونکہ موسیٰؑ نے مذکورہ آرڈیننس کو بہت ہی عام شرائط کے ساتھ بیان کیا تھا، بغیر کسی تفصیلات کی۔ بنی اسرائیل کی موسیٰؑ کے توسط سے ان پر نازل کردہ آسان حکم کی مزید تفصیلات حاصل کرنے کی خواہش نے بنی اسرائیلیوں کے لئے اس کی تکمیل کرنا تقریباً ناممکن بنا دیا۔ اگر وہ اپنی کے منتخب کردہ کسی بھی گائے کی قربانی دے دیتے، تو وہ اپنا فرض ادا کر دیتے، لیکن انہوں نے اس عمل کو اپنے لئے پیچیدہ کر لیا۔

جمع کے صیغے میں "آپ" کا استعمال اجتماعی، کیونٹی کی ذمہ داری کے اصول کے طور پر ہے جو کسی ایسے شخص یا نامعلوم افراد کی جانب سے قتل کے معاملات میں موزیک قانون نے مرتب کیا ہو۔ خدا کی جانب سے قصور وار کو روشنی میں لانا سے قیامت مراد ہے۔

تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا کلز مقتول کو مارو۔ اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو (البقرہ-73)

مذکورہ بالا جملے کو "حل نہ ہو سکنے والے قتل کے واقعات میں سے کچھ پر اس اصول کو لاگو کرنے" کے طور پر مناسب طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، کیونکہ کسی شخص یا انجان افراد کے ذریعہ قتل کی فرقہ وارانہ ذمہ داری کے اصول کو صرف کچھ لوگوں پر لاگو کیا جاسکتا ہے، مگر ایسے تمام معاملات پر نہیں۔ خدا اس طرح کے پیغامات یا آرڈیننس کے ذریعے اپنی مرضی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ علامتی بیان "خدا موت سے ہر جان کو بچاتا ہے" سے مراد خونریزی اور بے گناہ افراد کے قتل کی روک تھام ہے، چاہے یہ انفرادی انتقام کے ذریعہ ہو یا کسی غلط عدالتی عمل کے نتیجے میں، جو مبہم شبہ اور ممکنہ طور پر گمراہ کن واقعاتی ثبوت کے نتیجے میں ہو۔

شک کا فائدہ دینا

جب تک جرم ثابت نہ ہو، ملزم اس تک معصوم ہوتا ہے (مجرم نہیں کہلاتا)، یہ اسلامی قانون کا ایک اہم اصول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ”جہاں تک بھی تمہیں اس کی گنجائش ملتی ہو سزا دینے سے بچو، جہاں تک بھی ممکن ہو مسلمانوں کو سزا دینے سے گریز کرنے کی کوشش کرو، اور اگر کسی ملزم کیلئے سزا سے بچنے کا راستہ ہے تو اسے چھوڑ دیں۔ کسی ملزم کو سزا دینے کا غلط فیصلہ کرنے سے بہتر ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔“ ثبوت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مدعی یا الزام لگانے والے پر ثبوت کا بار ہوتا ہے۔ شک کا فائدہ اسلامی قانون کے تحت ملزم کو جاتا ہے۔ باب 11، "عائشہؓ کے خلاف بہتان" دیکھیں۔

لوگوں کے حقوق کی کڑی پابندی

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیلوی کار ہوں ازراہ ظلم تباہ کر دے۔ (سورہ ہود-117)

اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔ (القصص-59)

غلط عقائد میں، اللہ کی اپنے انبیاء کی جانب وحی کردہ سچائیوں کی تردید، اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار، یا خدائی قوتوں یا خصوصیات کو اس کے علاوہ کسی اور کے لئے مختص کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ کا عذاب لوگوں پر صرف اس لئے نہیں آتا کہ وہ شرک اور کفر کے ماننے والے اعتقادات رکھتے ہیں، بلکہ لیکن اللہ انہیں اس وقت عذاب ہے اگر وہ باہمی معاملات میں مستقل طور پر برائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور جان بوجھ کر دوسرے انسانوں کو تکلیف دیتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔

اسلامی قوانین کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے انسانوں پر عائد فرائض اس کی مغفرت اور آزادی کے اصول پر قائم ہیں، اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ اللہ غالب ہے اور اسے کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ انسان کمزور ہے اور اسے تحفظ کی ضرورت ہے، لہذا اس کے حقوق کا ہمیشہ سختی سے خیال کیا جانا چاہئے۔ نیز، انسان کے خلاف کیے گئے گناہوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "میری جماعت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزوں اور صدقات کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوگا، جب کہ اس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہوگی، دوسرے شخص کی ملکیت پر قبضہ کیا ہوگا اور خون بہایا ہوگا یا پھر کسی کو قتل کیا ہوگا، پھر اس کے نیک اعمال چھین کر ان سب کے حوالے کر دیئے جائیں گے اور جب ان لوگوں کے معاوضے ادا کرنے کے لئے اس کے اچھے اعمال میں سے کچھ نہیں بچے گا تو پھر ان میں سے ہر ایک کے گناہ اس کے سپرد کر دیئے جائیں گے اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

معافی کو عذاب پر زیادہ ترجیح دی جاتی ہے

اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں! (المائدہ: 45)

ایگزوڈس 21: 23 ایف ایف دیکھیں، جہاں موزیک قانون کے تحت فراہم کردہ انتہائی سخت سزاؤں کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ پینناچ میں معافی کی اجازت موجود نہیں ہے، جو کہ نہ صرف قرآن مجید میں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بالخصوص ماؤنٹ کے خطبہ میں بھی بہت واضح ہے۔

متاثرہ شخص کو اسلامی قانون کے تحت مجرم کو معاف کرنے اور اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی طاقت دی گئی ہے۔ مقتول کا معاف کرنے کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر متاثرہ شخص معاف کرنے سے انکار کرتا ہے تو عدالت سزا کا فیصلہ کرے گی۔

اصولی طور پر، تمام جرائم کی سزا ہونی چاہئے، لیکن سزا جرم کی شدت سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، جو مساوات کا اصول ہے۔ یہ انصاف کا وہ اصول ہے جو مجرموں کو جرائم کا ارتکاب کرنے سے روکتا ہے۔ رحمت کا قانون عدالتوں کو کسی مجرم کو بے اصلاح کی ترغیب دینے کے لئے جرائم کی سزاؤں کو ہلکا کرنے کا اختیار دیتا ہے۔

خطاکار کی سزا کے بعد کفارہ

یہ نبی اکرم ﷺ کی روایات سے اخذ کردہ اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول ہے کہ جب ایک مرتبہ حد سے تجاوز کرنے والا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد، طے شدہ قانونی سزا سے گزرتا ہے، تو اسے اس کا کفارہ سمجھنا اور اسے مکمل سمجھنا چاہیے۔ حضرت ابو بکر کے کزن مہاجر مستاح کی کہانی پڑھیں، جس نے نبی ﷺ کی اہلیہ اور ابو بکرؓ کی بیٹی عائشہؓ کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلایں (باب 11، "عائشہؓ کے خلاف بہتان" دیکھیں)۔

انسان اللہ کی سزا کی نقل تیار نہیں کر سکتا

اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کے دوران، نبی ﷺ چیونٹیوں کے انبار کے اس پار آئے جسے جلا گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کہ انھیں کس نے جلایا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم نے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "کسی کو آگ سے عذاب نہیں دینا چاہیے، سوائے اس کے کہ آگ کا رب آگ کے ذریعے عذاب دے۔" سدوم اور عمورہ کی کہانی میں، گندھک اور آگ کی آسمانی سزا نے دونوں شہروں کو تباہ کر دیا۔ آخرت کی زندگی میں، سخت مجرموں کو جہنم کی آگ میں سزا دی جائے گی۔ موجودہ زندگی میں کسی بھی انسان کو آگ کے ذریعہ موت کا نشانہ نہیں بنایا جانا چاہیے، جیسا کہ پیغمبر ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

علامتی سزائیں

قرآن مجید نے گھناؤنے جرائم کی سخت سزا کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے بہت ساری سزائوں، خاص طور پر جذباتیت کے جرائم کے لئے، علامتی ہیں، تاکہ ان جرائم کی شدت کے بارے میں ایک نقطہ نظر بنایا جاسکے اور اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس کو باقاعدگی سے نافذ کیا جائے۔ ناجائز جنسی تعلقات سے متعلق تمام جرائم میں اصل فعل کے چار عینی شاہدین کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عدالت کے کٹہرے میں جرم ثابت ہونا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے تحت باقی جرائم میں اس کیس کو ثابت کرنے کے لئے صرف دو عینی شاہدین کی ضرورت ہوتی ہے۔

سزا میں لچک

عام عقیدے کے برخلاف، اسلامی قانون عام طور پر خاص صورتحوالوں کو ایڈجسٹ کرنے میں لچکدار ہے۔ جس طرح بہت سے اسلامی عقائد لچکدار اور دائرہ کار میں وسیع ہیں، اسی طرح جرائم کی سزا بھی متعقلہ جرم کے پس پردہ ارادے کی بنیاد پر لچکدار ہے۔ جج کافی اعلیٰ اقدار کا مالک ہوتا ہے اور وہ ایسی سزا دے سکتا ہے جو جرم کے مطابق ہو۔ قتل کی سزا مقتول کے لواحقین کے معاشی معاوضے سے لے کر موت کی سزا تک ہو سکتی ہے۔ چوری کے جرم کے لئے، سزا معافی سے لے کر ایک ہاتھ کے کٹنے تک ہوتی ہے۔ دوسرے خلیفہ کے

دور میں، عرب کو متاثر کرنے والے قحط کی وجہ سے ہاتھوں کو کاٹنے کی سزا ترک کر دی گئی۔ بھوک سے مرنے والے لوگوں کو ضرورت کی بنا پر چوری کرنے کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

برابری کا قانون

اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔ مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورہ الشوریٰ 39-40)

ظلم کے خلاف کامیاب جدوجہد اکثر سابق مظلوموں کے پہلے کی طرح کے ظالمانہ رویے کی وجہ سے انحراف کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہذا، کسی کا دفاع کرتے ہوئے "حق بات سے تجاوز کرنے" کی ممانعت ہے۔

شرعیت کا نفاذ غیر مسلموں پر نہیں ہوتا

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ (2:256)

غیر مسلموں پر اسلامی قوانین کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس چیز نے غیر مسلموں پر مذہب کو زبردستی لاگو ہے۔ (سنگسار کرنے سے متعلق اس حصے کے باب 17، "جنسی زیادتی، فحاشی، زنا اور ہم جنس پرستی" کو دیکھیں، جس میں یہودی جوڑے کو تورات کے قوانین کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ باب 8، "مذہب کی آزادی" بھی دیکھیں)

شرعی قانون کے تحت آزادیاں اور

پابندیاں

تقدیر یا عمل کرنے کی آزادی

جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے کہہ دو کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے (اگر ہے) تو اسے ہمارے سامنے نکالو تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور انکل کی تیر چلاتے ہو۔ کہہ دو کہ خدا ہی کی حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام 148-149)

وہ اس سچ کو جھوٹ کہتے ہیں کہ خدا نے انسان کو صحیح اور غلط کے درمیان انتخاب کرنے کی اہلیت عطا کی ہے۔ کیا ان کے پاس تقدیر کے بارے میں کوئی خاص معلومات ہیں، یا وہ دوسرے لوگوں کی پیش گوئیوں پر عمل پیرا ہیں؟ یہ اُس غلط خیال کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کے اچھے یا برے اعمال آزاد انتخاب کا نتیجہ نہیں ہوتے اور اللہ کی تقدیر اور اس کے نتیجے میں رویوں کا پیش خیمہ نہیں ہوتے۔ مذکورہ بالا آیات اس اصطلاح کے عام طور پر مشہور تقدیر کے عقیدے کو مسترد کرتی ہیں۔

اگر یہ سچ ہو تا کہ انسان کے سارے اعمال پہلے سے طے شدہ ہیں، تو اللہ کیوں انسانوں کو ان کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرائے گا؟ انسانی کاموں کی خدائی پیش گوئی یا تقدیر اللہ کے انصاف اور انسانی ذمہ داری سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اگر اللہ نے انسان کو پسند کی آزادی نہیں دی، تو پھر وہ برے انسانوں کو جہنم اور نیک بندوں کو جنت میں بھیجنے اور انصاف دینے میں جائز نہیں ہے۔ چونکہ انسانوں کو آزادانہ مرضی عطا کی گئی ہے، لہذا یہ بات منطقی ہے کہ انسان اس ذمہ داری کے ذمہ دار ٹھہرے جائیں گے کہ انہوں نے خدا کے عطا کردہ اس تحفہ کو کس طرح استعمال کیا۔ قرآنی آیات خود کو اس حد تک مختلف تشریحات کے لئے پیش کر سکتی ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا مصنف ہے، لیکن انسانی احتساب کے بنیادی موضوع پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام سے پہلے کے عربوں کا خیال تھا کہ اللہ زندگی کا خالق اور رزق دینے والا ہے، لیکن انسانیت کے مسائل سے اللہ کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ نے دنیا کو تخلیق کیا اور پھر پسپائی اختیار کر لی اور انسانیت کو اس کی تقدیر یا غیر ضروری "اوقات" پر چھوڑ دیا، جو تمام لوگوں کو انکی تقدیر بتاتے ہیں۔ دائمی امید کے اس پیغام کے ساتھ قرآن مجید زندگی کے حقیقت پسندانہ، تقدیر کے نقطہ نظر کا دفاع کرتا ہے اور بار بار بیان کرتا ہے کہ انفرادی اور معاشرتی زندگی میں پیش آنے والے واقعات مضبوطی سے ایک ہمدرد اور طاقتور خدا کے قابو میں ہیں۔ یہاں تک کہ موت بھی ایک نئی، ابدی زندگی کا آغاز ہے۔

انسان کو آزاد مرضی سے نوازا گیا ہے

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا کر (اندھا کر) دیں۔ پھر یہ رستے کو دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے۔ اور اگر ہم

چاہیں تو ان کی جگہ پر ان کی صورتیں بدل دیں پھر وہاں سے نہ آگے جا سکیں اور نہ (پیچھے) لوٹ سکیں۔ (یس 66-67)

خدا نے انسانوں کو عقل کی رہنمائی اور اخلاقی احساس سے نوازا جو انسانی فطرت کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا سننے، دیکھنے اور محسوس کرنے کے حواس ہیں۔ اندھے عقیدے پر اصرار کرنا استدلال کے برخلاف ہے۔ اگر یہ خدا کی مرضی نہ ہوتی کہ انسانوں کو اپنی مرضی یا اخلاقی انتخاب کی آزادی ہو، تو وہ ابتدا ہی سے انہیں روحانی اور اخلاقی طور پر مستقل فطرت عطا کرتا، انہیں پوری طرح سے اپنی جبلت میں جوڑ دیتا، جو آگے بڑھنے کی ہر خواہش سے، مثبت ترقی یا غلط راستے سے پیچھے ہٹنے کے راستوں سے بھی عاری ہوتا۔

انسان کے سوا سب مخلوقات خدا کی مرضی کے مطابق چلتی ہیں

اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا زبردستی سے خدا کے آگے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدے کرتے ہیں)۔ (سورہ الرعد - 15)

کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) خدا کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ (النحل 50-48)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ اور جس شخص کو خدا ذلیل کرے اس کو عزت دینے والا نہیں۔ بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (الحج - 18)

وہ ساری چیزیں اور مخلوق جو آسمان اور زمین پر ہیں اللہ کی مرضی کے تابع ہیں۔ "سجدہ" جس کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ ایک علامت ہے جو تمام مخلوقات اور چیزوں کے اللہ کی مرضی کے مطابق اندرونی تابعداری کا اظہار کرتا ہے۔ ان "چیزوں" کے ذریعے بے جان چیزوں اور شاید زندہ حیاتیات جیسے پودوں کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے، کیونکہ وہ مطیع ہوتے ہیں۔ جانور اور فرشتے، نخلی اور اعلیٰ ترین مخلوق بھی خدا کی مرضی کی تعمیل کرتے ہیں۔

حرکت کرنے والے ہر جانور کی فطری بے گناہی اور فرشتوں کے برخلاف، انسان کو اس اصطلاح کے اخلاقی معنوں میں آزادانہ ارادے سے نوازا گیا ہے۔ وہ صحیح اور غلط کے درمیان انتخاب کر سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے، وہ گناہ بھی کر سکتا ہے اور اکثر کرتا ہے۔ مومن رضا کارانہ طور پر خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، جبکہ حق سے انکار کرنے والے، جو اس کے تابع ہونے کو تیار نہیں ہوتے، اس چیز سے آگاہ ہوئے بغیر بھی، اس کی مرضی کے

تابع ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں وہ دنیا میں اپنے رویوں کا ایک لازمی نتیجہ اور سزا آخرت میں پائیں گے، جو کہ اس اصطلاح کے روایتی معنی میں محض صوابدیدی سزا کے طور پر نہیں ہوگا۔ بدکار لوگوں آخرت کی زندگی میں نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ کو جو ابدہ ہونا پڑے گا۔

ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا (الحزب - 72)

خلاف ورزی کا دائرہ کار دو یا زیادہ سے زیادہ ممکنہ راستوں یا طرز عمل کے طریقوں، اور اسی طرح اچھے اور برے کے درمیان انتخاب کرنے کی صلاحیت پر مشتمل ہے۔ پھر بھی انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھایا اور پھر اخلاقی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکام رہا جو اس وجہ اور آزادانہ ارادے سے پیدا ہوتا ہے جس کے ساتھ اسے عطا کیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق نسل انسانی پر ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ یہ تمام انفرادی لوگوں پر لاگو ہو۔

انسان کی آزاد مرضی اور اللہ کی قدرت

قرآن مجید کے عالمی جائزہ کے مطابق، اللہ ہی تمام واقعات کا حتمی ذریعہ ہے۔ اس کائنات کو ایک ماہر، قادر خدا کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے جو اچھائی اور برائی پر مکمل طاقت رکھتا ہے۔ جو کچھ ہوا ہے اور ہوتا ہے اللہ اسے جانتا ہے، اور اس کے علم یا اس کی طاقت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہے

ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتا ہے تو (اے محمد ﷺ تم سے) کہتے ہیں کہ یہ گزند آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچا) ہے کہہ دو کہ (رنج و راحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ سچ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ (النساء - 78)

جب مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ کچھ اچھا ہوتا تو وہ کہتے، "یہ خدا کی طرف سے ہے"، کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ وہ اچھے تھے۔ اگر ان پر کوئی تکلیف پہنچتی، تو وہ کہتے، "اے نبی یہ تو آپ کی طرف سے ہے"۔ اللہ نبی ﷺ سے کہہ رہا ہے کہ: "سب اللہ کی طرف سے ہی ہے"، اچھائی اور برائی دونوں ہی۔ خدا کے حتمی اختیار کے بارے میں "تمام واقعات کی روانی سے متعلق"، "وہ حقیقت کو سمجھنے کے لئے قطعاً عقلمند ہی نہیں ہیں۔"

اے (انسان) تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال) کی وجہ سے ہے (النساء - 79)

دیکھنے میں یہ دو آیات "سب کچھ خدا کی طرف سے ہے" اور "آپ کو جو بھی برائی پہنچتی ہے وہ آپ کی اپنی جانب سے ہی ہے"، ایک دوسرے سے متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم، اس تضاد کو انسان کی آزادانہ خواہش کے تناظر میں ایک محدود حد تک سمجھایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ انسان میں اچھائی اور برائی اللہ کی مرضی سے ہی نکلتی ہے، خدا نے انسان کو آزادانہ ارادے یا انتخاب کی آزادی کی شکل میں خود ارادیت کی طاقت عطا کر دی ہے۔ کچھ برے حالات انسان کے لئے کھلے ہوئے کئی راستوں کے مابین غلط انتخاب کے نتیجے میں ہو سکتے ہیں۔ کچھ تکالیف کے لئے، انسان کو صرف اپنے آپ پر ہی اس کا الزام

لگانا پڑتا ہے، کیونکہ "خدا کسی کے ساتھ اتنا بھی ظلم نہیں کرتا جتنا کسی ایٹم (ذرے) کا وزن ہوتا ہے"۔ (4:40)۔ تاہم، ہر وہ چیز برائی نہیں ہوتی جسے انسان بد قسمتی کہتا ہے۔ یہ مصیبت کے ذریعے روحانی نشوونما کے لئے آزمائش اور خدا کی چاہت کے مطابق آزمائش بھی ہو سکتی ہے اور ضروری نہیں کہ یہ مصیبت زدہ شخص کی طرف سے کسی غلط انتخاب یا غلط عمل کا نتیجہ ہو۔

اللہ کا ایک لطیف سانداز

تو مجھ کو اس کلام کے جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں میری تدبیر قوی ہے۔ (القلم: 44-45)

"اس پکڑ" سے مراد بالعموم الہی وحی ہوتی ہے، اور بالخصوص قیامت اور فیصلے کے دن کی پکڑ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ کو ہی یہ فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ انھیں عذاب دیا جائے یا نہیں۔ "لطیف انداز" کی اصطلاح یہاں خدا کی تخلیق اور واقعات کے بہاؤ کے غیر متزلزل منصوبے کے لئے ہے، جس کا انسان صرف الگ تھلگ ٹکڑوں کا ہی اندازہ کر سکتا ہے اور کبھی بھی مکمل اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا منصوبہ جس میں ہر چیز کا ایک خاص کام ہوتا ہے، اور کچھ بھی حادثاتی نہیں ہوتا۔ "تھوڑی دیر کے لئے مہلت دینا" آزادی دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی مدد سے شریر افراد اپنی زندگی سے بھرپور لطف اندوز ہو سکتے ہیں، جبکہ بہت سارے نیک لوگوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انسان اپنی زندگی اور آخرت کے واقعات کیلئے اللہ کے "لطیف منصوبے" میں جو کردار ادا کرتا ہے، اسے سمجھنا انسان سے کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

آزاد مگر شتر بے مہار نہیں

قرآنی تعلیمات کی تصویر خدا کے منصوبے کی ساخت کو واضح کرتی ہے۔ تمام واقعات کے بہاؤ کے پیچھے ایک عظیم الشان، الہی، باریک بین منصوبہ ہے۔ انسان کی زندگی، پیدائش سے لے کر موت تک ایک وسیع الہی منصوبے کا ایک باریک بین ساجزہ ہے۔ انسان کی آزادی خدا کے قادر مطلق ہونے کی مرضی کے کمپاس میں ہی محدود ہے، اور ایک خاص نکتے پر بھی، انسان خدا کے تقدس سے باہر کام نہیں کر سکتا۔ انسان عملی طور پر آزاد ہے، لیکن اسے شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا۔

انسان ایک متضاد بقائے باہمی میں رہتا ہے، جہاں تمام معاملات پر اللہ کا قابو ہے، لیکن ہر ایک انسان اپنی ہر انتخاب کا ذمہ دار ہے کیونکہ اللہ اسے "تھوڑی دیر کے لئے مہلت" دیتا ہے، اور انسان تقدیر کا نام لیکر اپنے آپ کو بے قصور یا آزاد نہیں ٹھہرا سکتا۔ نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ، "خدا پر بھروسہ کرو لیکن اپنے اونٹ کو باندھ کر رکھو،" واضح کرتا ہے کہ اللہ کی قادر مطلقیت کے ناقابل تسخیر اسرار پر یقین کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی ذمہ داری بھی لازم ہے۔

مقدس ہدایت

اللہ قوانین بناتا ہے

اور سیدھا رستہ تو خدا تک جا پہنچتا ہے۔ اور بعض رستے ٹیڑھے ہیں (وہ اس تک نہیں پہنچتے) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے رستے پر چلا دیتا

(النحل-9)

مومنو! اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا) تو وہ تمہارے گناہ مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور خدا بڑا فضل والا ہے۔ (الانفال:29)

اللہ احکام طے کرتا ہے اور اپنے نبیوں کے ذریعہ ان کو واضح کرتا ہے۔ چاہے کوئی فرد نے یا اطاعت کرے، یہ اس شخص پر منحصر ہے، جو اس معاملے میں آزاد مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ اللہ اخلاقیات اور اچھے اخلاق کے اہداف کو صحیح راستے کے تصور میں مرتب کرتا ہے۔ انسان صرف اللہ کی رہنمائی سے اور اس کی حدود کے اندر رہ کر ہی ایمان حاصل کر سکتا ہے جو اس نے انسان کی فطرت میں شامل کیا ہے، اس میں حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی شامل ہے۔ چونکہ انسان کی اخلاقی انتخاب کی آزادی، خدا کی خواہش مند فطرت کے مطابق ہونے، اور سچا ہونے کی رضامندی یا نہ چاہنے پر انحصار کرتی ہے، لہذا اسے خدا کے فضل و کرم پر منحصر کہا جاسکتا ہے۔ کسی بشر کے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو ایمان پر لائے، جب تک کہ اللہ اس شخص کو اپنی رہنمائی عطا نہ کر دے۔

قیاس کی بنیاد پر اخلاقیات

تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسی تجویزیں کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں (یہ) پڑھتے ہو کہ جو چیز تم پسند کرو گے وہ تم کو ضرور ملے گی۔ یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلی جائیں گی کہ جس شے کا تم حکم کر دو گے وہ تمہارے لئے حاضر ہوگی۔ ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کون ذمہ لیتا ہے؟ کیا (اس قول میں) ان کے اور بھی شریک ہیں؟ اگر یہ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو لاسانے کریں (القلم:36-41)

خدا کے لئے اپنے پاس سے ترجیحات بیان کرنا

اور یوں ہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ خدا پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ جو لوگ خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہو گا۔ جھوٹ کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو دردناک عذاب بہت ہو گا۔ (النحل: 116-117)

انبیاء اللہ کی رہنمائی آگے پہنچاتے ہیں

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی (یعنی) پرہیزگاروں کے لئے۔ جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔ یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟ (الانبیاء: 48-50)

تمام الہی وحیوں میں تاریخی تسلسل کے قرآنی نظریے کو پہلے انبیاء کے سامنے "جھوٹ سے سچائی کو واضح کرنے کے معیار کا" حوالہ دے کر بیان کیا گیا تھا۔ یہ بات اس حقیقت پر زور دیتی ہے کہ تنہا وحی ہی تمام اخلاقی اقداروں کا معیار پیش کرتی ہے۔ اس کا تعلق تورات میں موجود بنیادی اخلاقی سچائیوں سے ہے اور یہ تمام الہی وحیوں سے ہم آہنگ ہے۔

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتا دے۔ پھر خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے (ابراہیم: 4)

کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی ارشاد ہوا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کروں جس نے اس کو محترم (اور مقام ادب) بنایا ہے اور سب چیز اُسی کی ہے اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اس کا حکم بردار رہوں۔ (النمل: 91)

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور حق ظاہر کرنے کے لئے خدا ہی کافی ہے۔ (الفتح: 28)

دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے (آل عمران: 19)

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مذہب (اس اصطلاح کے وسیع معنوں میں) جو مذکورہ اصول پر مبنی نہ ہو وہ باطل ہے، اور حق ہمیشہ باطل سے بالاتر ہوتا ہے۔

اللہ پہلے خبردار کرتا ہے، پھر سزا دیتا ہے

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لئے نصیحت کرنے والے (پہلے بھیج دیتے) تھے۔ نصیحت کر دیں اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

(الشعراء - 208-209)

اور اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (واحکام) کی پیروی کرتے۔ کہہ دو کہ سب (نتائج اعمال) کے منتظر ہیں سو تم بھی منتظر رہو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ (دین کے) سیدھے رستے پر چلنے والے کون ہیں اور (جنت کی طرف) راہ پانے والے کون ہیں (ہم یا تم)۔ (طہ: 134-135)

نیکی کرنا اپنے بھلے کیلئے ہی ہے

اور یہ بھی کہ قرآن پڑھا کرو۔ تو جو شخص راہ راست اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور جو گمراہ رہتا ہے تو کہہ دو کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والا ہوں۔ اور کہو کہ خدا کا شکر ہے۔ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے۔ اور جو کام تم کرتے ہو تمہارا پروردگار ان سے بے خبر نہیں ہے۔ (النمل: 92-93)

اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دو کہ تمہارے (پاس) پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بن رہا اس نے اپنے حق میں برا کیا۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ تم (یہ باتیں اہل کتاب سے) سیکھے ہوئے ہو اور تاکہ سمجھنے والے لوگوں کے لئے تشریح کر دیں۔ اور جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اسی کی پیروی کرو۔ اس (پروردگار) کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مشرکوں سے کنارہ کر لو۔ (الانعام: 104-106)

اسلامی اخلاقیات عملی پرستی پر مبنی ہیں، کیوں کہ قرآن ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے کہ اگر آپ اچھے اور نیک کام کرتے ہیں جو آپ کے فائدے کے لئے ہوتے ہیں تو، آپ احسان پر احسان نہیں کرتے۔ اگر آپ برائی کرتے ہیں تو، یہ آپ کے لئے ہی باعث تکلیف ہے، اور اس سے خدا کو کسی طرح بھی اثر نہیں پڑے گا۔

حقیقی تبدیلی پر ہی برکتیں آتی ہیں

یہ اس لیے کہ جو نعمت خدا کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں خدا اسے نہیں بدلا کرتا۔ اور اس لیے کہ خدا سنا جانتا ہے۔ (الانفال: 53)

مذکورہ بالا آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ خدا کبھی بھی کسی فرد سے خود فیصلہ کرنے کی طاقت کو سلب نہیں کرتا۔

خدا اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔ اور جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی۔ اور خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ (الرعد: 11)

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے۔ اور خدا تو نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔ (العنکبوت: 69)

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اُتارا ہے (جس کی تمام) باتیں کھلی ہوئی (ہیں) اور یہ (یاد رکھو) کہ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے (المج: 16)

خدا اپنی نعمتوں کو انسانوں سے نہیں ہٹاتا جب تک کہ ان کے نفس اندرونی طور پر خراب نہ ہو جائیں (دیکھیں 8:53)، اسی طرح وہ جان بوجھ کر گناہ کرنے والوں کو اپنی نعمتیں نہیں دیتا جب تک کہ وہ اپنے اندرونی معاملات کو تبدیل نہ کریں اور اللہ کے فضل کے لائق ہو جائیں۔ اس بات کے وسیع معنوں میں، یہ علت اور اثر کے الہی قانون (سنت اللہ) کی ایک مثال ہے، جو افراد اور معاشروں، دونوں کی زندگیوں پر حاوی ہے، اور تہذیبوں کا عروج و زوال لوگوں کی اپنی "باطنی" اخلاقی خصوصیات اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں پر منحصر ہے۔"

اچھائی اور برائی کا راستہ

ہمیں اس شہر (مکہ) کی قسم اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو کہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے کیا وہ خیال رکھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا کہتا ہے کہ میں نے بہت سامان برباد کیا کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے) (یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے بھی دکھا دیئے۔ (سورہ البلد: 1-10)

"اس شہر" سے مراد مکہ کی سر زمین ہے، اور دوسری آیت میں ضمیر "آپ" سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ یہ ترتیب، تاہم، وسیع تر، اور عمومی تشریح کی ضمانت دیتی ہے۔ "یہ سر زمین" کا لفظ دراصل زمین کو بیان کرتا ہے، اور "آپ" عام طور پر انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ جو استعراقی طور پر "گو اہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے" یہی اس کا فطری ماحول ہے۔ جملہ "ہر والدین اور ان کی ساری اولاد" انسانی نسل کے آغاز سے آخر تک کی علامت ہے۔

وہ فخر کرتا ہے کہ اس کے وسائل اور اس کے امکانات ناقابل تسخیر ہیں، جو مذہبی زوال کے تمام ادوار کی ایک وسیع عقیدے کی خصوصیت ہے، کہ اُس طاقت کی کوئی حد نہیں ہے جس کی صرف تمنا ہی کر سکتا ہے۔ اس کے دنیاوی "مفادات" ہی صحیح اور غلط کا واحد معیار ہیں۔ کیا اسے لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کے سوا کسی کا بھی ذمہ دار نہیں ہے؟ خدا کے وجود کی حقیقت کی آواز کو پہچاننے کے لئے یار ہمنائی طلب کرنے کے لئے "کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، اور ایک زبان، اور ہونٹوں کا جوڑا نہیں عطا کیا؟۔"

حق اور باطل کا صوابدیدی تعین

اخلاقی ارتباطی نظریہ یہ ہے کہ اخلاقیات دراصل؛ ثقافت، معاشرے، یا تاریخی سیاق و سباق کے لحاظ سے موجود ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے لحاظ سے ہیں نہ کہ مطلق۔ جسے آپ صحیح رویہ سمجھتے ہیں وہ آپ کے لئے صحیح رویہ ہو سکتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے میرے لئے نہ ہو۔ اخلاقی ارتباط ایک فرد کے فیصلے پر مبنی ہوتا ہے، اور یہ کسی فرد یا گروہ کے ہر عمل کا جواز پیش کرتا ہے۔ قرآن اس انسانیت پسندانہ نقطہ نظر کو مسترد کرتا ہے، جو انسان کو انصاف کی زندگی گزارنے کی فطری صلاحیت کا ایسا سہرا دیتا ہے، جس کا کوئی بیرونی حوالہ یا معیار نہیں ہے۔ عقلی اخلاقیات کے احکامات کے ذریعہ انسان واقعی یہ جاننے کے اہل ہے کہ صحیح کیا ہے اور کیا غلط ہے۔ پھر بھی، اچھائی اور برائی کے درمیان فرق کرنے میں قدرتی انسانی وابستگی ہمیشہ قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ انسان اپنی فطری حالت میں اپنے مفاد کو اچھا سمجھتا ہے اور جو چیز انسان کی دلچسپی کو خراب کرتی ہے، اسے برا سمجھتا ہے۔ وحی کے علاوہ بھی، قتل ہمیشہ برا ہی سمجھا جاتا رہا ہے اور زندگی بچانا اچھا کام سمجھا جاتا رہا ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں پر وحی کے ذریعے اخلاقیات کا ایک مقصد اور آفاقی معیار طے کیا۔

اللہ کے احکامات یا ممنوعات، جن کا اللہ نے واضح طور پر حکم دیا ہے ان سے بالاتر ہو کر خدا کے احکامات یا ممنوعات کے من مانی طریقوں پر عمل کی بھی قرآن مجید مذمت کرتا ہے (الزمنخشری)۔ کچھ مفسرین، جیسے محمد عبد، اپنے، بیانات میں ان گنت قیاسات کو "قانونی" احکامات کے بطور شامل کرتے ہیں، جو قرآن کے الفاظ یا کسی مستند روایت کی تصدیق کے بغیر ہیں، انفرادی مسلم اسکالر نے اپنے طریقوں کے ذریعے اخذ کر لئے ہوئے ہیں اور پھر انہیں "اللہ کے احکامات" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اللہ کی رہنمائی کو قبول کرنے یا اسکا انکار کرنے کی آزادی

انسان کی آزاد مرضی اور اللہ کی ہدایت

تو تم مردوں کی (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو اور نہ اندھوں کو اُن کی گراہی سے (نکال کر) راہ راست پر لاسکتے ہو۔ تم تو انہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی فرمانبردار ہیں۔ (الروم: 52-53)

اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا۔ اور نہ تم ان کے داروغہ ہو۔ (الانعام: 107)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے۔ لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پانچکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔ (السجدة: 13)

سب باتیں خدا کے اختیار میں ہیں تو کیا مومنوں کو اس سے اطمینان نہیں ہوا کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔ (الرعد: 31)

اور اگر خدا چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی جماعت بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جو عمل تم کرتے ہو (اُس دن) اُن کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ (النحل: 93)

یہی خدا کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (الزمر: 23)

اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا رستہ ہے جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں (الانعام: 126)

اللہ جانتا ہے کہ کون ایمان کا انتخاب کرے گا اور پھر توبہ کرے گا (اللہ کی خوشنودی سے) اللہ کی خوشنودی کا امیدوار بنے گا، اور پھر وہ اس پر اپنا فضل یا ہدایت عطا کرے گا۔ "رہنمائی" یا "درست سمت دکھاتا ہے" کا لفظ دراصل اللہ کی تکمیل اور اس کی عطا کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو ہر اس شخص کے حق میں ہے جو اسکا مستحق ہے۔

قدرتی قانون کا نظریہ جس کی طرف انسان مائل ہوتا ہے اور اس کے افعال بھی — نیز کائنات میں موجود تمام دیگر شرائط تابع ہیں — وہ یہ ہے کہ ہر عمل کے مخالف رد عمل ہوتا ہے۔ ہر وجہ کا اثر ہوتا ہے، اور ہر اثر کا ایک سبب ہوتا ہے۔ صرف ایک استثناء اللہ کو ہی حاصل ہے، جس کا وجود تمام موجودات

سے بالا ہے۔ خدا نے انسانوں کو آزادانہ ارادے سے نوازا ہے، اور وہ بہت سارے رونما ہونے والے واقعات کو کچھ خاص وجوہات کی پیروی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

وہ جنہیں اللہ گمراہ کر دیتا ہے

اس (مثال) سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا تو نافرمانوں ہی کو۔ (البقرہ: 26)

اللہ کی جانب سے تمام قرآنی حوالے، جو کسی آدمی کو گمراہ ہونے کی بات کرتے ہیں، ان کو اس پس منظر کے خلاف ہونا چاہئے کہ "وہ ظالموں کو چھوڑ کر کسی گمراہ نہیں کرتا ہے۔" جو شخص "گمراہی کی طرف راغب ہونا چاہتا ہے" وہ حق (وجہ) کو رد کرنے کا انتخاب کرے گا اور اس انکار پر ثابت قدم رہے گا اور اسے کبھی بھی ایمان نہیں ملے گا۔ اس نے جان بوجھ کر اپنی آزادانہ مرضی کا غلط استعمال کیا ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے۔ انسان کا سیدھے راستے سے ہٹنا اس کے رویوں اور برائی کی جانب مائل ہونے کی وجہ سے ہے، نہ کہ اللہ کی جانب سے من مانی کرنے کی لکھی ہوئی تقدیر یا قسمت کا نتیجہ۔

جس شخص کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بہکتے رہیں (الاعراف: 186)

تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گو یادہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: 125-126)

"خوف" کسی بھی ایسی چیز کی نشاندہی کرتا ہے جو اندرونی طور پر گھناؤنی، خوفناک یا مکروہ ہو۔ اس معاملے میں، یہ بے معنی کے خوفناک احساس کی نشاندہی کرتا ہے جو ہر ایسے شخص پر حاوی ہو جاتی ہے جو یہ نہیں مانتا ہے کہ زندگی کا کوئی مطلب اور مقصد ہے۔ "آپ کے برقرار رکھنے والے (اللہ) کا راستہ سیدھا ہے"۔ یہ اصول انسان کی باطنی زندگی پر بھی مقصد اور اثر کے قانون کے اطلاق میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ بدکردار لوگ ہیں (الحشر: 19)

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے۔ اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کچھ شک نہیں کہ یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے (النحل: 108-109)

کیونکہ جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے (النحل: 125)

وہ یہ طے کرنے سے قاصر ہیں کہ ان کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ اللہ نے توبہ نہ کرنے والے گنہگاروں کے دلوں پر اپنی ہدایت کے تابع ہونے سے مستقل اور شعوری انکار کے نتیجے میں مہر ثبت کر دی ہے۔

توان میں بعض ایسے ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سوزمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا اگر تم ان (کفار) کی ہدایت کے لیے لپچاؤ تو جس کو خدا گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا (النحل: 36-37)

اللہ کسی کو تنہا نہیں چھوڑتا سوائے ان لوگوں کے جو تنہا رہنے کے مستحق ہیں۔ "ان لوگوں کی طرح مت بنو" جنہوں نے، اللہ سے غافل رہ کر، اپنی روحانی صلاحیت کو ضائع کر دیا۔ اللہ کسی کے لئے روحانی طور پر غافل ہو جانے کا سبب نہیں بناتا، اور نہ ہی وہ گنہگاروں کو توبہ کرنے اور نیک سلوک کرنے پر مجبور کرتا ہے، انھیں تنہا چھوڑ دیتا ہے اور انہیں ہر طرح کے احسان یا ہدایت (اثر) سے محروم کرتا ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی گنہگار جماعت سے ایسے خطاب فرمایا:

اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے وہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے (ہود: 34)

یہ بیان قرآن کی "اللہ کے راستے" کی ڈاکٹر ائن کی توثیق کرتا ہے، ان لوگوں کے بارے میں جو مستقل طور پر اللہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔ خدا (جو معبود برحق ہے اس) کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو مومنوں کو چاہیئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں (التغابن: 12-13)

پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے۔ (الشوری: 48)

جب اللہ، حق سے انکار کرنے والے کی طرف سے گناہ کرنے پر مسلسل تکرار کو جانتا ہے، تو اسے اس حالت میں چھوڑ دیتا ہے اور اسے توبہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا، اللہ کی اس طرح کرنے کی صفت کو قرآن مجید میں "گمراہ کر دینے" اور "گناہ پر لگائے دینے" کے طور پر دکھایا گیا ہے۔

گنہگاروں کو رعایت کی ادائیگی

اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو ان کو مہلت دیئے جاتے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے۔ (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں۔ آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا (آل عمران: 178)

مندرجہ بالا آیت میں کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ لوگ حق سے انکار پر تلے ہوئے ہیں، لہذا ان کو اپنے مفادات پر غور و خوض کے لئے ہمیں انکو انتخاب کی آزادی اور وقت دینا۔ دینا فائدہ مند نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس، اس کی وجہ سے وہ جھوٹی خود اعتمادی اور گناہ گاری میں بڑھیں گے۔ خدا ان کے "گناہ میں بڑھنے کو" کو اپنی مرضی سے منسوب کرتا ہے کیونکہ وہی ہے جس نے اپنی تخلیق پر اسباب و اثر کا فطری قانون نافذ کیا ہے۔

جو ابدی

نیک بننا اپنے بھلے کے لئے ہی ہے

کہہ دیجئے کہ لوگو تمہارے پروردگار کے ہاں سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے۔ اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں (یونس: 108)

اور جو عمل تم کرتے ہو (اُس دن) اُن کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ (النحل: 93)

جو کوئی (برا) کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کا جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا (الانعام: 164)

یہ جماعت گزر چکی۔ ان کو اُن کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پریشانی سے نہیں ہوگی (البقرہ: 134)

کہہ دو کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پریشانی ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی ہم سے پریشانی ہوگی۔ کہہ دو کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا اور صاحب علم ہے۔ (سباء: 25-26)

یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی (النجم: 38-40)

"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" یہ بنیادی اخلاقی قانون پانچ بار قرآن مجید میں بیان ہوا ہے - 17:15, 16:6, 39:7, 35:18, اس کے علاوہ اوپر کی آیت میں بھی بیان ہوا جو ان آیات کے لحاظ سے وحی کی تاریخ کی سب سے پہلی آیت ہے۔ یہ آیت دراصل گناہ کے مسیحی نظریہ کو مسترد کرنے کا اظہار کرتی ہے۔ یہ اس خیال کی تردید کرتی ہے کہ کسی شخص کے گناہوں کا کفارہ کسی ولی یا بزرگ یا نبی کی بدلے والی قربانی کے ذریعہ دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ عیسائی عقیدہ میں ہے کہ انسانیت کے گناہوں کے لئے عیسیٰ نے کفارہ کے طور پر اپنی قربانی دے دی یا فارسی عقائد میں تھا کہ متھر اس نے انسان کے مذموم گناہوں سے چھٹکارے کے لئے قربانی دے دی۔ باطنی طور پر، یہ تصور گنہگار اور خدا کے مابین کسی ثالثی کے امکان سے انکار کرتا ہے۔ قرآن نے انفرادی ذمہ داری کے اسلامی اصول پر زور دیا ہے اور یہودیوں کے بطور ابراہیم کی نسل سے ہونے کے لحاظ سے ان کے "منتخب کردہ افراد" ہونے کے نظریے کی تردید کی ہے۔

اللہ کی ہدایت کا انکار کرنے کے نتائج

اور اس طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں (تاکہ تم لوگ ان پر عمل کرو) اور اس لئے کہ گنہگاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے (الانعام: 55)

مگر جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں

سب سے بھردوں گا (ہود: 119)

اللہ ہی تمام اخلاقی قوانین کا حقیقی ذریعہ ہے جہاں سے صحیح اور غلط کو پرکھا جاتا ہے، وہ اخلاقی تشخیص کا ایک معیار ہے، جو فرد اور معاشرے پر پابند ہے۔

تاہم، شیطان کے پیروکار جو اللہ کی طرف سے اسکی پیش کردہ ہدایات کو مسترد کرتے ہیں انھیں آخرت میں عذاب بھگتنا پڑے گا۔

مذہب کی آزادی

مذہبی آزادی کو آزادی کی سب سے بنیادی شکل سمجھا جاتا ہے۔ اس میں فکر و تقریر کی آزادی اور انجمن و نقل و حرکت کی آزادی شامل ہے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ محفوظ نجی ملکیت کے بغیر مذہبی آزادی نہیں ہو سکتی، کیوں کہ محفوظ املاک کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کسی بھی طرح کی عبادت کو بجالا سکتا ہے جو وہ اپنی جائداد کی جگہ پر بجالانا چاہتا ہو، بغیر کسی مداخلت کے۔

اخلاقیات کا تصور انسان کی اللہ کی عطا کردہ اچھائی اور برائی کے درمیان انتخاب کی آزادی، اور مختلف مذاہب میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کی آزادی سے منسلک ہے۔ مذہبی آزادی کا نظریہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے ضمیر کی مرضی کے مطابق، اپنے اُس عقیدے اور اعتقاد پر عمل کرنے کا حق ہے جو اسے مناسب لگتا ہے۔

ایمان میں کوئی جبر نہیں ہے

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے توجہ شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنا اور (سب کچھ) جانتا ہے (البقرہ: 256)

"برائی کی طاقتیں" کسی بھی ایسی چیز کی نشاندہی کرتی ہیں جنکی خدا کی بجائے عبادت کی جاتی ہے اور وہ سب چیزیں جو انسان کو خدا سے دور کر سکتی ہیں اور اسے برائی کی طرف لے جاسکتی ہیں۔ اوپر بیان کی گئی مذہب یا مذہب سے متعلق کسی بھی چیز پر زبردستی کی ممانعت کے بارے میں، تمام اسلامی فقہاء کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کی زبردستی تبدیلی ہر حالت میں ناجائز ہے، اور کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی کوئی کوشش ایک ہے سنگین گناہ ہے۔ اس متفقہ فیصلے نے وسیع پیمانے پر پھیلی اُس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے، جو یہ ہے کہ اسلام کافروں کے سامنے "مذہب کی تبدیلی یا پھر تلوار" کا آپشن ہی رکھتا ہے۔ حکومت کے ذریعے یا طاقت کے ذریعے مذہب کا نفاذ فطری طور پر غیر اسلامی اور مذہب کی آزادی کے خلاف ہے۔

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں۔ حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر ایمان لائے۔ اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے۔ (یونس: 99-100)

قرآن نے بار بار اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ "اگر وہ چاہتا تو وہ تمہاری بالکل سیدھے راستے کی جانب رہنمائی کرتا۔" (6: 149)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس چیز کی خواہش کی ہے ورنہ - اس نے انسان کو حق اور باطل کے درمیان انتخاب کرنے کی آزادی دی ہے، اور اسے اخلاقی وجود کی حیثیت سے بلند کیا ہے۔ کفر کسی انسان کے اللہ کے پیغامات کو سمجھنے کے لئے اپنی کسی وجہ کو استعمال کر کے اپنی خواہش کا اظہار کرنے کی خواہش کا نتیجہ ہے، کیونکہ انکار براہ راست انبیاء کرام کو کی گئی وحیوں میں اظہار کیا گیا ہے یا پھر یہ انسان کے اللہ کی تخلیق کے قابل مشاہدہ مظاہر کے بارے میں کھلم کھلا اظہار سے ہوتا ہے۔

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔ پس جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو (ق:45)

تو آپ نصیحت کرتے رہیں۔ کہ آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔ آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔ ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا تو خدا اس کو بڑا عذاب دے گا۔ بے شک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ (الغاشیہ: 21-26)

انہیں اپنی گمراہی میں تنہا چھوڑ دیجئے

(اے محمد ﷺ) عفو اختیار کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کر لیں۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں (الاعراف: 199-202)

مومنین کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ انسانی فطرت کے لئے مناسب چلک پیدا کرے اور غلطیوں پر سختی نہ کرے۔ ان کے لئے بلاوجہ مشکلات پیدا کیے بغیر چیزوں کو آسان بنائیں، اور ان سے ایسی کوششوں کا مطالبہ نہ کریں جو ان کے لئے بہت مشکل ہو سکتی ہیں۔ وہ نصیحت جو سب سے زیادہ قابل ذکر ہے وہ یہ کہ تمام گناہوں سے بڑھ کر ناقابل معافی گناہ یعنی، اللہ کے سوا کسی اور کے لئے خدائی طاقتوں یا خصوصیات کو بیان کرنے (شرک) کا ارتکاب کرنا ہے۔ خدا سے پناہ مانگیں ایسے لوگوں سے جو حق کو مسترد کرتے ہیں اور جاہل رہنے کا انتخاب کرتے ہیں اور اللہ کے غصے کا سبب بنتے ہیں۔ بریکٹس کے درمیان لکھے گئے الفاظ "اندھا غضب" ایک روایت کے ہیں جس کے مطابق نبی ﷺ نے، پچھلی آیت کے نزول کے بعد تحمل کے بارے میں بارے میں بات کرتے ہوئے سوال فرمایا، "اے میرے رب! جائز غضب کے بارے میں کیا ہے؟" جس کے بعد مذکورہ بالا آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔ "ان کے بھائی" وہی لوگ ہیں جو جان بوجھ کر سچ سے دور رہتے ہیں اور بے مقصد کی بحثوں میں الجھ کر اللہ کے غضب کا شکار بنتے ہیں۔

لوگوں کی کوتاہیوں کو معاف کیجئے

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے اس کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اور قیامت تو ضرور آکر رہے گی تو تم (ان لوگوں سے) اچھی طرح سے درگزر کرو۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (سب کچھ) پیدا کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (الحجر: 85-86)

اس نے تمام انسانوں کو ان کی فطری تفریق اور ان کے متعلقہ حالات میں تفاوت کے مکمل علم کے ساتھ پیدا کیا ہے - اور اس میں، یقیناً، ان کی ناکامیوں اور غلطیوں کو بھی شامل کیا گیا ہے (ملاحظہ کریں 7:199)

حقیقی عقیدہ آزاد انتخاب کا نتیجہ ہوتا ہے

یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ (اے پیغمبر ﷺ) شاید آپ اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپکو ہلاک کر دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اُتار دیں۔ پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ اور ان کے پاس (خدا کے) رحمن کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ سو یہ تو جھٹلا چکے اب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہوگی جس کی ہنسی اُڑاتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی نفیس چیزیں اُگائی ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے مگر یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور تمہارا پروردگار غالب (اور) مہربان ہے۔ (الشعراء: 2-9)

مندرجہ بالا آیات اس بیان کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ کے پیغامات کو مسترد کرنا انسانیت کی تاریخ کا ایک متواتر ہونے والا واقعہ رہا ہے، حالانکہ اللہ کا وجود تمام مخلوقات میں واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

معجزے آزادانہ ارادے اور ایمان کے لئے لازم نہیں ہیں

اور اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے تو اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکال لیں یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کریں) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لائیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تم ہر گز نادانوں میں نہ ہونا۔ بات یہ ہے کہ (حق کو) قبول وہی کرتے ہیں جو سنتے بھی ہیں اور مردوں کو تو خدا (قیامت ہی کو) اٹھائے گا۔ پھر اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ (الانعام: 35-36)

گناہگار معاشروں پر اللہ کا فیصلہ

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے نامعتقد ہوئے۔ لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ (یہ) خدا کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے۔ اور وہاں کافر گھائے میں پڑ گئے۔ (غافر: 84-85)

مذکورہ بالا دو مثالیں، "معجزے آزاد خیالات اور ایمان کے لئے ضروری نہیں ہوتے" اور "گناہگار معاشروں پر اللہ کا فیصلہ" آزادانہ ارادے اور ایمان کے مابین تعلقات کو واضح کرتی ہیں۔ مسلسل تبلیغ کے بعد بھی اہل مکہ نے محمد ﷺ کے پیغام کو مسترد کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ اس دشمنی سے سخت پریشان ہوئے تھے کہ ان کے الفاظ نے کافر مکہ والوں میں دشمنی پیدا کر دی تھی اور ان کی روحانی تقدیر کے بارے میں اندیشوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کبھی کبھی، نبی ﷺ نے یہ خواہش کی کہ اللہ شاید ایک واضح نشانی بھیجے جس سے مکہ والوں کو اس کے پیغام کو قبول کرنے کے سوا کوئی اور متبادل

نہیں مل سکے گا۔ اگر اس مشن کو معجزوں کے ذریعہ انجام دینا ہو تا تو اللہ نے ایسا ہی کر دیا ہوتا، لیکن مجبوری کے تحت حاصل لایا گیا ایمان ہر گز ایمان نہیں ہوتا۔

جب معاشرے طویل عرصے تک مستقل طور پر غلط کام کرتے ہیں تو اللہ انہیں سزا دے سکتا ہے۔ اللہ انہیں اس دنیا میں معافی کے ساتھ گناہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جب اس معاشرے کی تباہی واضح ہو گئی تو، انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے خدا کی الوہیت میں شرک کے تمام عقائد ترک کر دیئے ہیں۔ تاہم، یہ دگمگاتا اعتقاد ان کی روحانی نشوونما میں معاون ثابت نہیں ہو سکا، کیونکہ یہ آزادانہ انتخاب کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایک ناقابل واپسی آفت کے صدمے نے انہیں اس پر مجبور کیا گیا۔ "راہ خدا" یا سنت اللہ، اس معاملے میں، یہ ہے کہ ایمان کی کوئی روحانی قیمت نہیں ہے جب تک کہ وہ حقیقی، داخلی روشن خیالی سے پیدا نہ ہو۔

خدا پر یقین رکھنے والے کسی بھی فرد کو نظر انداز نہ کریں

اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ان کے ساتھ صبر کرتے رہو۔ اور تمہاری نگاہیں ان میں (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ۔ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا ماننا۔ (الکہف: 28)

اور جو لوگ صبح و شام اپنی پروردگار سے دعا کرتے ہیں (اور) اس کی ذات کے طالب ہیں ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالو۔ ان کے حساب (اعمال) کی جو ابد ہی تم پر کچھ نہیں اور تمہارے حساب کی جو ابد ہی ان پر کچھ نہیں (پس ایسا نہ کرنا) اگر ان کو نکالو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ (جو دو تہمتیں ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم میں سے فضل کیا ہے (خدا نے فرمایا) بھلا خدا شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ (الانعام: 52-53)

روایات کے مطابق، مکہ کے کچھ کافر سرداروں نے اس شرط پر اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ پیغمبر ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ میں سابق غلاموں اور دوسرے "نچلے" افراد سے خود کو الگ کر دیں گے۔ اس مطالبے کو نبی ﷺ نے مسترد کر دیا۔ آیت میں کہا گیا ہے کہ آپ (محمد ﷺ) کو ان لوگوں کے ساتھ صبر و اچھے سلوک سے پیش آنا چاہئے جو صبح اور شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے ان کو نظر انداز نہ کریں، اور مکہ کے سرداروں کی جانب سے پیش کردہ دنیا کی زندگی کی آلائشوں اور چمکتی چیزوں کی خواہش نہ کریں۔ شرافت اور دولت کے حامل لوگوں کو اپنے پس ماندہ اور کمزور پیروکاروں پر فوقیت نہ دیں۔

اگرچہ بنیادی طور پر نبی ﷺ سے خطاب کیا گیا تھا، لیکن اس آیت میں جو نصیحت کی گئی تھی اس کی ہدایت قرآن مجید کے تمام پیروکاروں کو دی گئی ہے۔ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو پیچھے نہ کریں، اگر وہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور ہمیشہ صبح و شام اس کے فضل و کرم کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کے اعتقادات قرآن کے تقاضوں سے مناسب طور پر نہیں ملتے جلتے تو بھی، ان کی قرآنی تعلیمات کی صراحت کے ساتھ وضاحت کر کے

ان کی مدد کرنے کی کوشش کریں۔ وہ سب صرف اپنے اُن اعتقادات یا اعمال کے لئے اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں جو قرآن کی تعلیمات کے مطابق یا نہیں ہیں۔

"ہم لوگوں کو ایک دوسرے سے آزما رہے ہیں۔" یہ مقدمہ دوسرے مذاہب کے افراد کے قرآنی جواز کے دعوے کو قبول کرنے اور اسلام کے خلاف اس تعصب کو ترک کرنے کے لئے ناپسندیدہ پن پر مشتمل ہے، جس کا اُن کے ثقافتی اور تاریخی ماحول نے انہیں شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر شکار کر دیا۔ "تو کیا اللہ نے ان (غریب مومنین) کو ہم پر ترجیح دی ہے؟" یہ مکہ مکرمہ کے سرداروں اور بہت سارے غیر مسلموں کا طنزیہ حقارت آمیز اشارہ تھا، جو پیغمبر ﷺ کے غریب صحابہؓ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مذہبی اجتماعیت اور اقلیتوں کے حقوق

مذہبی اجتماعیت کے انتظامی اجسام

1. تنوع کے ساتھ پُر جوش مشغولیت

2. مذہبی رسومات کی سمجھ بوجھ

3۔ وعدوں کا سامنا

4۔ بین المذاہب مکالمہ۔ رواداری کا مطلب ظلم و ستم کی عدم موجودگی ہے۔

خدا کی جانب مختلف راستے

اُس خدا کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ (70:3)

قرآن کی تعلیمات مذہبی کثرت کی تائید کرتی ہیں، جیسا کہ اس میں بتایا گیا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے بہت سارے راستے ہیں۔ یہاں استعمال شدہ بکثرت استعمال ہونے والے "طریقے" سے مراد یہ ہے کہ اس بات پر زور دیا جائے کہ بہت سارے راستے خدا کی پہچان کا باعث ہیں۔ وہ "ترقی کے بہت سارے طریقوں" میں سے ایک متناسب جملہ ہے جس کا مطلب ہے کہ بہت سارے راستے ہیں جن کے ذریعہ انسان خدا کے وجود کا ادراک کر سکتا ہے اور اس طرح اس سے روحانی قربت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہر ایک انسان پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف جانے والے راستوں میں سے کسی سے فائدہ اٹھائے۔ قرآنی پیغام کی یہ انفرادیت بنیادی عقائد کے تمام صحابہ کو خدا کے فضل سے حاصل کرنے سے باز نہیں رکھتی۔ خدا کی مخالفت میں آزاد مرضی کے استعمال کا تصور حتمی فیصلے کے پورے تصور کی ایک لازمی کلید ہے۔ ایک مہذب انسان نجات نہیں حاصل کر سکتا اگر وہ مسلمان نہیں ہے اور اس نے کسی بھی قانون کی تعمیل نہیں کی، جیسے روزانہ کی نماز، رمضان، غذائی پابندی، اور اس طرح کے۔ قرآن اکثر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جو

لوگ ایک ہی خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور نیک زندگی گزارتے ہیں انہیں "خوف کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔" قیامت کا عقیدہ انفرادی اخلاقی ذمہ داری کی نمائندگی کرتا ہے۔

مذہبی قوانین اور طرز زندگی کی تنوع

اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی کہ تم میں کوئی اختلاف نہ ہو تو وہ تم سب کو ایک ہی اُمت بنادیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے مگر اسی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے، اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو کر رہے گی۔ 16:93

پھر اے محمد! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اُس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اُس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اُس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ (5:48)

یہ تمہاری اُمت حقیقت میں ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔ (21:92)

اور یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھی سے ڈرو۔ مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اُسی میں وہ مگن ہے (23:52)۔

خدا یقیناً آپ سب کو ایک ہی برادری کو باہمی اتفاق رائے سے اخلاقی اقدار کا پابند بنا سکتا تھا، لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ اگر خدا چاہتا تو ہر انسان راستباز زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا، لیکن اس سے انسان کو اس کی آزاد مرضی اور اخلاقیات کو اس کے تمام معنی سے محروم کرنا ہو گا۔ "آپ میں سے ہر ایک" کا اظہار ان مختلف برادریوں کی نشاندہی کرتا ہے جن میں انسانیت تشکیل دی گئی ہے۔

قرآن کے مطابق، بنیادی، غیر متزلزل روحانی سچائیاں خدا کے رسولوں میں سے ہر ایک نے تبلیغ کی ہیں۔ خدا کے نبیوں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین کا خاص ادارہ، اور ان کے ذریعہ تجویز کردہ طرز زندگی، اس وقت کی مایوسیوں اور ہر معاشرے کی ثقافتی نشوونما کے ساتھ مختلف تھا۔ قرآن مجید میں اس "تنوع میں اتحاد" پر زور دیا جاتا ہے۔ آپ پر عائد کردہ مختلف مذہبی قوانین کو خود کو خدا کے حوالے کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کے لئے اور آپ کو روحانی اور معاشرتی طور پر ترقی کرنے کے قابل بنانے کے لئے آپ کی رضامندی کی جانچ کرنے کے لئے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ قرآن مجید ان تمام لوگوں پر تاثر دیتا ہے جو خدا، مسلمانوں اور غیر مسلموں پر یکساں طور پر یقین رکھتے ہیں، ان کے مذہبی طریقوں میں پائے جانے والے اختلافات کو

باہمی دشمنی میں کھونے کے بجائے انہیں " اچھے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنا " چاہئے۔ آخر میں، خدا آپ کو سمجھا دے گا جس میں آپ اختلاف کرتے تھے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ معاہدہ

دوسروں کی عبادت گاہوں کی حفاظت

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ”ہمارا رب اللہ ہے۔“ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ (22:40)

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کے معبودوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔ (2:114)

اسلام کی ابتدائی تاریخ جو عالم اسلام میں مذہبی مساوات کی کچھ عمدہ مثالوں کا انکشاف کرتی ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر مذہب جو خدا کو اپنا مرکز بنی نقطہ سمجھتا ہے اس کا مکمل احترام کیا جانا چاہئے، البتہ اس کے خاص اصولوں سے کوئی متفق نہیں بھی ہو سکتا۔ مسلمان خدا کے لئے وقف کردہ کسی بھی عبادت گھر کا احترام اور حفاظت کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، خواہ وہ مسجد ہو، چرچ ہو یا عبادت خانہ۔ قرآن ایک دوسرے عقیدے کو خدا کی عبادت کو مذہبی عقیدے سے روکنے کی کسی بھی کوشش کی مذمت کرتا ہے۔

گر جاگھروں کی حفاظت کے قرآنی احکامات کی بنیاد پر، نبی ﷺ نے سینٹ کیتھرین خانقاہ کے راہبوں اور عام طور پر عیسائیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس نے آخری وقت تک مذہبی آزادی اور تحفظ کی پیش کش کی۔

سینٹ کیتھرین کی خانقاہ

سینا کے پہاڑ پر سینٹ کیتھرین کی خانقاہ ہے، جسے اب تک کی قدیم ترین عیسائی خانقاہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو ابھی بھی اس کے ابتدائی کام کے لئے استعمال میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موسیٰؑ کو اس پہاڑ پر قانون کی تختیاں دی گئیں۔ خانقاہ سینٹ کیتھرین اسکندریہ کے لئے وقف کی گئی تھی، جو سن 307ء میں شہید ہو گئی تھی۔ رومن شہنشاہ نے سینٹ کیتھرین کو عیسائیت ترک کرنے سے انکار پر سینٹ کیتھرین کو سخت مار پیٹ کرنے اور رولنگ اسپیک پیسے سے باندھنے کا حکم دیا تھا۔ جب وہ آزمائش سے بچ گئیں، شہنشاہ نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا۔

سن 626ء میں جب سینٹ کیتھرین خانقاہ کے ایک وفد نے مدینہ کا دورہ کیا تو، پیغمبر ﷺ نے راہبوں کو عیسائیوں اور دیگر غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ذاتی طور پر ایک چارٹر دیا۔ خط میں، نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ بتایا کہ عیسائیوں کو مذہب کی آزادی کا حق ہے۔ نبی

اکرم ﷺ کے ہاتھ کے نقوش کے ساتھ اس خط کی کاپی خانقاہ میں موجود لائبریری میں ابھی بھی محفوظ ہے۔ مندرجہ ذیل اس اہم دستاویز کا خلاصہ ہے، جس کا ترجمہ انتون ایف ہدائے کیا ہے۔

عیسائیوں کے لئے آزادی مذہب کی ضمانت ہے

یہ وہ خط ہے جو محمد ابن عبد اللہ، رسول، پیغمبر ﷺ، مؤمن نے جاری کیا، جو تمام لوگوں کو خدا کی طرف سے اپنی تمام مخلوقات پر بھروسہ پیغام عام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ ان کی خدا کے خلاف کوئی شکایت باقی نہ رہے۔ بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔ یہ خط مشرق و مغرب میں، عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ، دور اور قریب، عربوں اور عجمیوں میں، جانے پہچانے اور نامعلوم افراد کے عہد نامے کے طور پر، اسلام قبول کرنے والوں کے لئے ہدایت کی گئی ہے۔

مسلمان جو اس عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ کافر ہیں

یہ خط ان کو دیئے گئے حلف پر مشتمل ہے، اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اس کو کافر اور فاسق قرار دیا جائے گا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ اسے ایک ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے خدا کی قسم کو توڑا، عہد نامہ کو جھٹلایا، اس کے اختیار کو مسترد کیا، اس کے مذہب کو حقیر سمجھا، اور اپنے آپ کو اس لعنت کا مستحق بنادیا، چاہے وہ سلطان ہو یا کوئی اور اسلام کا ماننے والا۔

مسلمان عیسائیوں کی حفاظت کریں گے

جب بھی عیسائی راہب، عقیدت مند، اور حجاج اکٹھے ہو جاتے ہیں، خواہ وہ پہاڑ یا وادی، ماند، یا کثرت سے کسی جگہ پر ہوں، یا سادہ، یا چرچ، یا عبادت گھروں میں، یقیناً ہم ان کے پیچھے ہیں اور ان کی جائیدادیں، ان کے اموال وغیرہ کی خود، اپنے دوستوں اور معاونین کے ذریعے حفاظت کریں گے، کیوں کہ وہ میرے شہری ہیں اور میرے تحفظ میں ہیں۔ کسی کو بھی ان مسیحیوں کو لوٹنے، یا ان کے گرجا گھروں، یا عبادت خانوں میں سے کسی کو توڑنے یا خراب کرنے یا ان گھروں میں موجود کوئی چیز لے جانے اور اسے اسلام کے ایوانوں تک پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس سے لے جائے گا وہی ہو گا جس نے خدا کی قسم کو فاسد کر دیا ہے اور سچ میں اس نے اپنے رسول کی نافرمانی کی ہے۔ ان پر کسی کو سفر کرنے، یا جنگوں میں جانے یا اسلحہ اٹھانے پر مجبور کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ مسلمانوں کو ان کے لئے لڑنا ہو گا۔ انہیں ہتھیار یا پتھر لے جانے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہئے، لیکن مسلمانوں کو ان کی حفاظت کرنا چاہئے اور دوسروں کے خلاف ان کا دفاع کرنا چاہئے۔

عیسائیوں کے لئے آزاد عدلیہ

ان کے ججوں کو تبدیل نہیں کیا جانا چاہئے اور نہ ہی ان کے دفتروں کے کام میں رکاوٹ ڈالنی چاہئے۔ کسی کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ ان کے معاملات میں مداخلت کرے یا ان کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔

راہبوں کے لئے امن اور سکون

راہبوں کو ان کے مذہبی نظام کو استعمال کرنے میں پریشان نہیں کیا جانا چاہئے، یا خلوت کے لوگوں کو اپنے خلیوں میں رہنے سے روکنا چاہئے۔ میں ان کو اس چیز سے مستثنیٰ کروں گا جو ان کو پریشان کرے۔ ان بوجھوں کا جو دوسروں کے ذریعہ بیعت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

ٹیکس سے چھوٹ

ان سے ان کی اپنی آمدنی میں سے کچھ جزیہ لینا چاہئے۔ انہیں ناراض، پریشان، یا زبردستی یا مجبور نہیں کرنا چاہئے مگر ان سے جزیہ لینا لازمی ہے۔ جزیہ صرف ان افراد پر عائد کیا جاتا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں۔ غیر مقاتل افراد مثلاً بچے، بوڑھے، عورتیں معذور لوگ، صوفی اور گوشہ نشین قسم کے حضرات اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جزیہ ادا کرنے کے بعد یہ لوگ دفاعی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ نے ایسے لوگوں (جنہیں عرف عام میں اہل الذمہ یا ذمی کہتے ہیں) کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ جزیہ ان لوگوں کی مالی حالت کا لحاظ رکھ کر عائد کیا جاتا ہے چنانچہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ "میں نے مجاہد سے پوچھا کہ شام کے کافروں سے تو سالانہ چار دینار لیے جاتے ہیں اور یمن کے کافروں سے صرف ایک دینار لیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ شام کے کافر زیادہ مالدار ہیں۔" جزیہ کی وصولی میں انتہائی نرمی اختیار کی جاتی تھی اور سیدنا عمر کو اس سلسلہ میں دو باتوں کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ ایک یہ کہ جزیہ کی شرح ایسی ہو جسے لوگ آسانی سے ادا کر سکیں۔ جانداد کے مالک، دولت مند اور بیوپاریوں کے بارے میں، ان سے لینے والا پول ٹیکس ہر سال (تقریباً 200 امریکی ڈالر) ہر سال میں بارہ ڈر چاس سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔

عیسائیوں کے لئے احترام اور پسندیدہ درجہ

ان سے کوئی جھگڑا یا بحث نہ کریں بلکہ قرآن مجید میں درج آیت کے مطابق معاملہ کریں، تاکہ یہ معلوم ہو کہ "اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر اُس (دلیل) سے جو بہترین ہو (29:46)"۔ اس طرح وہ ان تمام ناپسندیدہ چیزوں سے محفوظ رہیں گے جو ان کو بلانے والوں کے ذریعہ مذہب [اسلام] سے ناراض کر سکتی ہیں، وہ چاہے جہاں کہیں بھی ہوں اور جیسے بھی رہے ہوں۔

عیسائی خواتین کے لئے مذہب کی آزادی

اگر کسی مسیحی عورت کا نکاح کسی مسلمان سے کرنا ہے تو، اس کی شادی اس کی رضامندی کے سوا نہیں ہونی چاہئے، اور اسے نماز کے لئے اپنے چرچ جانے سے روکنا نہیں چاہئے۔ ان کے گرجا گھروں کو اعزاز بخشا جانا چاہئے، اور انہیں گرجا گھر بنانے یا کنونٹ کی مرمت سے نہیں روکنا چاہئے۔

آخری وقت تک کا معاہدہ

بے شک میں ان کا معاہدہ، جہاں کہیں بھی ہو، سمندریا زمین پر، مشرق یا مغرب میں، شمال یا جنوب میں ہوں، قائم رکھوں گا، کیونکہ وہ میری حفاظت اور میری حفاظت کے وعدے کے تحت ہیں، اسلام کے صحابہ میں سے ہر ایک پر یہ مثبت طور پر یہ فرض ہے کہ وہ اس حلف کی قیامت اور دنیا کے اختتام تک کے لئے مخالفت اور نافرمانی نہ کرے

مصری مسلمانوں کے اپنے ساتھی مصری عیسائی شہریوں پر حملے قابل افسوس ہیں۔

نجران کے عیسائی

مذہبی مساوات کے اصول کی ایک حیرت انگیز مثال نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیغمبر ﷺ کے سلوک میں پائی جاتی ہے۔ سن 630ء میں، نجران کے ایک مسیحی وفد نے پیغمبر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آزادانہ طور پر پیش کیا۔ انہیں مسجد نبوی میں بلا معاوضہ رسائی دی گئی، اور ان کی پوری رضامندی کے ساتھ، انہوں نے وہاں اپنی مذہبی رسومات منائیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ کو "خدا کا بیٹا" اور مریم کی "خدا کی ماں" کی حیثیت سے ان کا اعتقاد اسلامی عقائد کے منافی تھا، پیغمبر نے ان کو اپنی مسجد میں اپنی خدمت انجام دینے کی دعوت دیتے ہوئے مزید کہا، "یہ ایک ایسی جگہ ہے جس کو خدا سے تقویت ملی ہے۔"

ایک مخصوص مقدار میں ٹیکس اور متعدد خدمات کے بدلے، نجران کے عوام کو ایک معاہدہ کیا گیا، جس کی ایک نقل ابتدائی تاریخ دانوں نے محفوظ کر لی ہے۔

وہ خدا کی حفاظت اور خدا کے رسول، محمد ﷺ کی حفاظت کے حقدار ہیں، جس میں ان کے افراد، مذہب، زمینوں اور املاک کی حفاظت شامل ہوگی۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو غیر حاضر ہیں اور ساتھ ہی جو موجود ہیں۔ ان کے اونٹ، پیغمبر اور تصاویر [چرچ کی تصاویر اور صلیب] کی حفاظت بھی شامل ہے۔ ان کی حیثیت کو تبدیل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مذہبی خدمات یا طریقوں میں کوئی تبدیلی کی جائے گی۔ کسی بشارت کو اپنے دفتر سے بطور بشارت، اپنے دفتر سے بھکشو راہب کی حیثیت سے تبدیل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی اس کے دفتر سے کسی چرچ کا سیکسٹون بدلا جائے گا۔ چاہے وہ کسی چھوٹے یا بڑے کنٹرول میں ہو۔ ان عیسائیوں کو اسلام سے پہلے کے زمانے میں کسی غلط کام یا خونریزی کے لئے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ انہیں نہ تو فوجی خدمات کے لئے بلایا جائے گا اور نہ ہی وہ یہ قیمت ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔

یہودیوں کے لئے مساوی حقوق

آئین مدینہ منورہ کے ایک حصے میں حضرت محمد ﷺ نے یہودیوں کو مساوی حیثیت اور مکمل مذہبی آزادی کی پیش کش کی۔ "مذہبی رواداری" کی اصطلاح اس بات کی بالکل نفی ہے کہ مذہبی اقلیتیں اکثریت کے ذریعہ محض "برداشت" کی جاتی ہیں۔ ابتدائی اسلام نے مذہبی اقلیتوں کو محض "رواداری" کی نہیں بلکہ مکمل مساوات کی پیش کش کی تھی۔ ذیل میں آئین مدینہ کا ایک اقتباس ہے، جس کی تصنیف پیغمبر اسلام ﷺ نے کی ہے۔

یہودی جو ہماری دولت مشترکہ سے خود کو منسلک کرتے ہیں وہ ہر طرح کی توہین اور تکلیف سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے مساوی حقوق ہونگے اور ہماری مدد اور اچھے کاموں میں ہاتھ بٹائیں گے۔ مختلف شاخوں کے یہودی اور دوسرے تمام افراد جو یثرب میں آباد تھے، مسلمانوں کے ساتھ ایک مشترکہ قوم تشکیل پائیں گے، اور وہ اپنے مذہب کی آزادی مسلمانوں کی طرح ہی کریں گے۔ یہودیوں کے مؤکل اور ان کے اتحادی بھی اسی طرح کی سلامتی اور آزادی سے لطف اندوز ہوں گے۔

خلفائے راشدین کا دور حکومت

پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد مذہبی آزادی کا رواج ختم نہیں ہوا۔ بعد کی خلافت کے دوران ایرانی اور بازنطینی سلطنتوں کو فتح کرنے کے بعد، مسلم حکمرانی بازنطینی اور ایران کے مقابلہ میں زیادہ روادار تھا۔ مذہبی جماعتیں اپنے عقیدے اور عبادت پر عمل کرنے کے لئے آزاد تھیں اور ان کے رہنماؤں اور ان کے قوانین کے زیر اقتدار رہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر کچھ یہودی اور عیسائی برادری نے حملہ آور فوجوں کی مدد کی اور ان کا خیر مقدم کیا۔ دمشق اور دیگر شہروں میں مقامی لوگوں نے بہتر وقت کی امید کی۔ یہ صرف خلافت عرب کے تحت ہی یروشلم میں ایک خوشحال یہودی برادری قائم ہوئی تھی۔ یہیں پر، حکومتوں اور معاشروں نے فکر و اظہار کی آزادی کی ایک ایسی ڈگری حاصل کی جس کی وجہ سے یہودیوں اور متضاد عیسائیوں نے عیسائی مذہب سے اسلام کی پناہ حاصل کی۔

الاندلس

اسلامی اسپین میں، جسے آٹھویں صدی سے لیکر دسویں صدی تک، الاندلس کے نام سے جانا جاتا تھا، مسلمان، یہودی، اور عیسائی ایک ساتھ مل کر ایک متمدن تہذیب میں رہتے تھے، جس میں طب، فلکیات، ریاضی، زراعت، اور فن تعمیر میں ترقی کے لئے قابل ذکر خدمات سرانجام دی گئیں۔ یہاں تک کہ ارسطو کے کھوئے ہوئے فلسفہ کی حفاظت بھی قرطبہ کی وسیع لائبریری میں کی گئی تھی اور اندلس کے علماء کے کارکنوں نے اس پر بحث کی تھی۔ جب مسلمان مانوس فوجی فتح کے ذریعہ اسپین پہنچے تو وہ شمولیت کی پالیسی کے ذریعہ یہودی اور عیسائی لوگوں پر حکومت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مذہبی مساوات کے بارے میں اسلام کے موقف کے لئے ہمارے پاس محمد ﷺ کے براہ راست الفاظ ہیں: "کیا آپ پھر مردوں پر یقین کرنے پر مجبور کریں گے جب کہ یقین صرف خدا کی طرف سے ہی آسکتا ہے؟"

کافروں اور مشرکین کا تحفظ

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام نئے (تو اُسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اُسے اس کے مامن تک پہنچا دو، یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔ (6:9)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (2:256)

بغیر کسی کے عقیدے کی تفریق کے زکوٰۃ کی تقسیم

اگر اپنے صدقات اعلانیہ دو، تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو، تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ تمہاری بہت سی بُرائیاں اس طرزِ عمل سے محو ہو جاتی ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے۔ لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو جو کچھ مال تم خیرات کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہر گز نہ ہو گی۔ (2:271-272)

اسلام میں مذہب پر مبنی تفریق کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے واضح ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے ابتدائی دنوں میں، نبی ﷺ جنہوں نے اپنے قبیلے میں پائے جانے والے فقر کا سامنا کیا تھا، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ صرف اسلام کے صحابہ کو صدقہ کرنا چاہئے۔ مذکورہ آیت کے انکشاف نے فوراً ہی اس قول کو درست کر دیا۔ نبی ﷺ نے پھر اپنے صحابہ کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ ان سب کو صدقہ دیں جو ان کے مذہب سے تو نہیں لیکن ضرورت مند ہیں۔

بہت سارے مستند مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کی مذکورہ بالا آیت - اگرچہ اس کو واحد الفاظ میں بیان کیا گیا اور نبی ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے تو تمام مسلمانوں کو حکم امتناع کا پابند کیا گیا۔ صدقہ، یا اس کو روکنے کا خطرہ، کبھی بھی کافروں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے۔ درست اعتقاد لازمی طور پر اندرونی یقین اور آزاد انتخاب کا نتیجہ ہونے چاہئیں۔ یہ 256:2 آیت سے مکمل اتفاق رکھتا ہے: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔

دوسروں کی مقدس ہستیوں کی گستاخی سے ممانعت

اور (اے ایمان لانے والو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے، اُس وقت وہ انہیں بتادے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ (6:108)

کسی بھی چیز کو طعنے دینے کی ممانعت کی، جسے دوسرے لوگ بھی مقدس رکھتے ہیں، یہاں تک کہ خدا کی وحدانیت کے اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی، تمام لوگوں اور تمام مومنین سے خطاب کیا گیا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کے جھوٹے عقائد کے خلاف

عقلی بحث کریں گے، لیکن انہیں ان عقائد کی اشیاء کو غلط استعمال کرنے اور اپنے غلط ساتھیوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ان نظریات کا لحاظ کرے جو بچپن سے ہی اس میں لگائے گئے ہیں اور اب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واحد سچے اور ممکنہ خیال کے طور پر شریک ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ ان عقائد کے خلاف ایک متنازعہ اور معاندانہ نفسیاتی رد عمل کو بھڑکاتا ہے۔

مجسمہ بدھ کی تباہی

اس کی تباہی سے قبل بامیان کے مجسمے کا 1700 سالہ قدیم بدھا وسطی افغانستان کے ہندوکش پہاڑوں کے دامن میں ایک چھوٹے سے شہر سے 150 فٹ سے زیادہ اونچا تھا۔ مارچ 2001 میں طالبان نے قرآنی تعلیمات کے برخلاف، مقدس مجسمہ کو منہدم کر دیا۔ وہ لوگ جنہوں نے بدھ کے مجسمے کی تباہی میں ملوث تھے شاید آیت 108: 6 کے بارے میں کبھی نہیں سنا ہو گا۔

کعبہ میں بتوں کا توڑنا

کچھ مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ کی مثال پیش کریں گے جب وہ فتح کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوئے اور 360 بتوں کو مسمار کر دیا۔

مسلمانوں نے صدیوں سے اس الگ تھلگ واقعہ کو ہندو اور بدھ کے مندروں پر حملہ کرنے اور ان کے بتوں کو ختم کرنے کے جواز پیش کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ کعبہ اب تک کا پہلا معبد تھا جو ابراہیمؑ اور ان کے پہلے بیٹے اسماعیلؑ نے بنایا تھا اور وہ صرف ایک ہی خدا کی عبادت کے لئے وقف تھا۔ ہزار سال کے دوران یہ آہستہ آہستہ عرب جہالت کا گڑھ بن گیا۔ پیغمبر ﷺ کے ذریعہ تمام بتوں کی تباہی کے بعد ابراہیمؑ کی اصل توحید کو بحال کیا گیا۔ ایک ہندو کی پوجا کے لئے ہندو اور بودھ مندر نہیں بنائے گئے تھے۔ کچھ مسلمان اس طرح کے لطیف اختلافات کو سمجھنے کے اہل نہیں ہیں۔ بعض اوقات اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان مندروں میں موجود تمام خزانوں کو لوٹ لیا جائے اور پھر مذہبی بنیادوں پر ان مجرمانہ حرکتوں کا جواز پیش کیا جائے۔ کسی بھی عبادت گاہ کی تباہی قرآنی تعلیمات کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

نتیجہ

اسلام واحد اہم مذہب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے آنے والے دوسرے خدائی مذاہب کے پیروکار بھی بعد کی زندگی میں نجات حاصل کریں گے۔ (مزید تفصیلات کے لئے اس سلسلے کی جلد سات دیکھیں۔) یہ نہ صرف دوسرے مذاہب کی رواداری بلکہ خدا کے تمام مذاہب کی برابری کی حتمی مثال ہے۔ مذہبی کثرتیت سے مراد متعدد مذہبی عالمی نظریات پر اعتقاد اور خدا اور نجات کے بارے میں مسابقت کرنے والی سچائیوں اور متنوع عقائد کو سمجھنے کے متعلق ہے۔ محض رواداری کے علاوہ مذہبی کثرتیت خدا کے لئے مختلف راستوں کو ایک امکان کے طور پر قبول کرتی ہے اور عام طور پر "استثنائی" سے متصادم ہوتی ہے، اس خیال سے کہ خدا کو جاننے کا صرف ایک ہی حقیقی مذہب یا طریقہ ہے۔ مذہبی کثرتیت بائبل کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی ہے کیونکہ یہ استثنائی کی تعلیم دیتی ہے کہ یسوع مسیح کے وسیلے سے خدا کو جاننے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔

دور حاضر میں مذہبی آزادی کی عدم موجودگی

عصری مسلم معاشرے یہ بھول چکے ہیں کہ مذہبی مساوات کا تصور ابتدائی اسلام کے تحت پہلے عمل میں لایا گیا تھا۔ آج شاید ہی کوئی ایسی مسلم قومیں ہوں جنہوں نے اپنے مذہب کے اعلیٰ نمونوں کو نافذ کیا ہو۔

آزادی فکر، تقریر، توہین رسالت، اور الحاد

مختلف نظریات کی ناگزیریت

بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔ اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادی انتخاب و اختیار) کے لیے ہی تو اس نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہو گئی جو اس نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جن اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (11:118-119)

قرآن انسان کے مابین ناگزیر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ خدا کی مرضی ہے کہ ان کے سچ کی طرف جانے کے راستے کو آزمائش اور مگرابی کے درمیان جانچا جائے۔ مختلف نظریات میں ہر چیز شامل ہوتی ہے، یہاں تک کہ خدا کی طرف سے ان پر نازل کی گئی سچائیوں کے بارے میں بھی۔ خدائی شعور اپنے فضل سے فائدہ اٹھاتا ہے، جو خدا کی عطا کردہ صلاحیت پر مشتمل ہوتا ہے جس میں اپنے اپنے وجود کو پہچان سکتا ہے (ملاحظہ کریں 172: 7) اور وہ اپنے نبیوں کے ذریعہ انسانیت کو جو رہنمائی پیش کرتا ہے۔ "اس انجام تک" کے معنی خدا کے اخلاقی انتخاب کی آزادی کا عطا ہے، جو انسان کی خصوصیت رکھتا ہے اور اس سے پہلے کے حوالہ جات میں بات کی جاتی ہے۔ یہ آزادی انسان کو خدا کا خاص تحفہ دلاتی ہے اور اسے دوسرے تمام مخلوقات سے بالاتر کرتی ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ فضل سے بحث کریں

اور اے محمد، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (17:53)

اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔ (16:125)

صبر کے ساتھ جھوٹے دلائل برداشت کریں

اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمدؐ، صبر سے کام کیے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔ (16:126-128)

اور ان سے کہو کہ ”ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے۔ (29:46)

دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ مذہبی مباحثوں میں احسان، تدبر، اور استدلال کے استعمال پر پوری طرح سے مذہب کی آزادی سے متعلق بنیادی حکم کے مطابق ہے۔ مومنوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ کسی دوسرے لوگوں کو قائل کرنے کے لئے بحث کرتے ہوئے خود پر ہی زہری اپنائیں اور ان کی شائستگی اور فکری مساوات کو کبھی مجروح نہ کریں۔ اگرچہ اگر کوئی مخالف آپ کی سالمیت پر دلالت کرتا ہے تو دلائل میں انتقامی کارروائی جائز ہے، لیکن اس سلسلے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اخلاقیات کو ترک نہ کیا جائے اور صبر کے ساتھ ناحق حملہ برداشت کرے۔

متعدد انسانی وجود

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی، ہم اس پر قادر ہیں۔ کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور کوئی ہم سے بازی لے جانے والا نہیں ہے۔ (41-70:40)

خدا کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کی جگہ لیں جو مومنین کے ذریعہ سچائی سے انکار پر تلے ہوئے ہیں، کیونکہ اس طرح کی تبدیلی اس کے کثیر الانسانیت کے خاکے کے مطابق نہیں ہوگی، جس میں ایمان کو ہمیشہ کفر اور اس کے برعکس آزمایا جاتا ہے۔

ارتداد

صرف بعد کی زندگی میں نہیں ہے ارتداد کی سزا

- جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو) تب تو خیر (مگر جس نے دل کی رضا مندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا، اور اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا جو اس کی نعمت کا کفران کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں پر آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے یہ غفلت میں ڈوب چکے ہیں۔ ضرور ہے کہ آخرت میں یہی خسارے میں رہیں۔ (109-16:106)

• رہے وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے، تو اللہ ہر گزان کو معاف نہ کرے گا اور نہ کبھی ان کو راہ راست دکھائے گا۔ اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مشرہ سنادو کہ اُن کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ (4:137-138)

نیک اعمال ضائع ہونگے

تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا، اس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ (2:217)

افسوس کے ساتھ چہرے سیاہ ہونگے

جبکہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہو گا، جن کا منہ کالا ہو گا) ان سے کہا جائے گا کہ (نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اس کفران نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔ (3:106)

خدا اس سے محبت کرنے والے لوگوں کو سامنے لائے گا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرنا ہے) تو پھر جائے (اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ اُن کو محبوب ہو گا۔ (5:54)

اگر آپ اسلام سے دشمنی رکھنے والے غیر مسلموں پر بھروسہ کرتے ہوئے، اپنے حلیفوں اور روحانی سرپرستوں سے بحث کرتے ہوئے اپنے ایمان کو ترک کر دیں تو، خدا ایسے مستقل لوگوں کو لائے گا جو اس سے محبت کرتے ہوں گے۔

جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اُس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضا مندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (16:106)

جب مومنین پر تشدد یا موت کے دھمکی ہو تو انہیں ارتداد کی اجازت ہے۔ سختی کے تحت عقیدے کو عارضی طور پر ترک کرنے کی اجازت ہے، قرآن پاک نے متعدد جگہوں پر یہ واضح کر دیا ہے کہ عقیدہ کی بناء پر شہادت کو انتہائی قابل تعریف مانا گیا ہے۔

سلمان رشدی کا معاملہ

سن 1989 میں، سابق ایرانی روحانی پیشوا، آیت اللہ خمینی نے سلمان رشدی کو موت کی سزا دینے کی مذمت کی کیونکہ اس نے شیطانی آیات شائع کیں، جس میں رشدی نے مبدیہ طور پر اسلام کی توہین کی تھی۔ پیرس میں 2015 میں، کچھ مسلمان چوکیداروں نے ایک اخبار کے دفاتر میں ذبیحہ کشی چاقو سے حملہ کیا تھا جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کے کارٹون چھپتے تھے۔ اس اخبار نے دوسرے مذاہب کا بھی مذاق اڑایا۔ مغربی پریس میں، جو لوگ نبی ﷺ کے نام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کچھ گستاخوں کا سہارا لیتے ہیں کہ وہ تشدد کا سہارا لے رہے ہیں اور ان اشتعال انگیزوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ اس طرح کے تشدد سے دنیا بھر میں سرخیاں بنتی ہیں، ایسی تشہیر پیدا ہوتی ہے جو کتابوں اور دیگر اشاعتوں کو فروخت کرنے میں معاون ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں راتوں رات نامور مصنفین، صحافیوں اور سیاستدانوں کو مشہور شخصیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ سلمان رشدی، جو اس سے قبل ایک نامعلوم مصنف تھا، نے اپنے پر تشدد کاموں کی وجہ سے مغربی میڈیا میں ایک مشہور شخصیت کا درجہ حاصل کیا تھا۔ ورنہ، وہ شاید ایک نامعلوم مصنف ہی رہ جاتا۔

ارتداد کی سزا

ایک بھی قرآنی آیت ایسی نہیں ہے جس میں سادہ ارتداد کی سزا دی گئی ہو۔ کچھ اسلامی ممالک ارتداد کے لئے قطعی سخت سزا، حتیٰ کہ سزائے موت بھی دیتے ہیں۔ یہ ایک حدیث پر مبنی ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی اپنا مذہب چھوڑ دیتا ہے تو اسے قتل کر دینا چاہئے۔" قرآن مجید میں بلا واسطہ مرتدوں کے متعلق کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی روایات میں، سزائے موت مرتدین پر اسلامی حکومت میں لاگو ہوتی ہے۔ ارتداد کی سزا صرف دوسری زندگی میں تو لازماً ملے گی۔

توہین رسالت کو نظر انداز مت کریں اور گنہگاروں کو نصیحت کریں

ان پر پھٹکار برسائی گئی ہے، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔ (33.61)

اور اے محمدؐ، جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ اُن کے حساب میں سے کسی چیز کی ذمہ داری پر ہیز گار لوگوں پر نہیں ہے، البتہ نصیحت کرنا اُن کا فرض ہے شاید کہ وہ غلط روی سے بچ جائیں۔ چھوڑو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ 68:6-70

اس جملے کو دو معانی میں سمجھا جاسکتا ہے: انہوں نے اپنے مذہب کو کھیل اور تفریح کا مقصد بنا دیا ہے یا انہوں نے کھیل اور تفریح کو اپنا مذہب بنا لیا ہے جو ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ مؤخر الذکر قابل ترجیح ہے۔ اس پر زور دیا گیا ہے کہ بہت سارے لوگ جو اس دنیا کی زندگی کو اس بات کی

پیروی میں وقف کر دیتے ہیں جو قرآن مجید کو "خوشی کی باتیں" کے طور پر بیان کرتا ہے۔ پیسہ اور طاقت جو خوشی مہیا کر سکتی ہے وہ مذہبی جوش و جذبے کے مترادف ہے۔ یہ ایک ایسا رویہ ہے جس کی وجہ سے وہ تمام روحانی اور اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ بیٹھیں جب تک کہ وہ خدا کے پیغام کا مذاق اڑانے کے علاوہ کسی بات میں خود غرق ہو جائیں۔

طنز کرنے والوں سے پرہیز کریں

اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر کا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔ (4:140)

پس اے نبیؐ، جو شخص ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے، اور دنیا کی زندگی کے سوا جسے کچھ مطلوب نہیں ہے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ان لوگوں کا مبلغ علم بس یہی کچھ ہے، یہ بات تیرا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور کون سیدھے راستے پر ہے۔ (53:29-30)

تمام نبیوں کے ہم عصر لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے ساتھ بد سلوکی کی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے، جھوٹے، دغا باز، جعلی، احمق اور اسی طرح کے دوسرے لوگ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصروں نے بار بار اسی نفرت انگیزی تقریر کا ارتکاب کیا جسے اب توہین رسالت یا پیغمبر کے خلاف گالی گلوچ کا استعمال کہا جاتا ہے۔ اسے کافر سامراجیوں کے ذریعہ مسلط، پاگل آدمی، پاگل شاعر، جادوگر، جھوٹا، اور اسی طرح کہا جاتا تھا۔ جلد سوم میں باب گیارہ ملاحظہ کریں: "پیغمبر کی سچائی اور تقریر کی آزادی پر حملہ آور۔" ("یہاں تک کہ ان کی بیویاں اس پر سخت تنقید کرتی تھیں کہ وہ سارا دن پریشان رہتے تھے۔ فتح مکہ پر اللہ نے اپنے حکم سے ایسے تمام افراد کا قتل کروا دیا تھا جنہوں نے نبی ﷺ پر آوازیں کسی تھیں۔

توہین رسالت کی سزا قرآن و حدیث سے واضح طور پر موت ہے، مگر یہ ہر کسی کو حق نہیں حاصل کہ وہ ایسے جرم کے مرتکبین کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس جرم کے پائے جانے اور اقرار یا شرعی گواہوں کی گواہی سے یہ ثابت ہو جانے کی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس سزا کا اطلاق کرے، اور توہین رسالت سمیت تمام شرعی حدود کے نفاذ اور سزاؤں کا اجرا حکومت کا کام ہے، ہر کس و ناکس اس طرح کی سزا جاری کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ ہمارے معاشرے میں کوئی ایسا مجرم پایا جاتا ہے تو شریعت اور قانون کے تقاضے پورے کرے، اور ایسے مجرم کے خلاف پرامن قانونی چارہ جوئی کر کے اسے کیفرِ کردار تک پہنچائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان

صریح گناہ

در جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔ (33:53-58)

تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو منہ در منہ (لوگوں پر طعن اور) پیٹھ پیچھے بُرائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ (104:1)

پیغمبر اکرم ﷺ کی اہلیہ، حضرت عائشہ، 5 ہجری میں قبیل مصطلق کے خلاف ایک مہم میں ان کے ہمراہ گئیں۔ جب فجر سے پہلے ہی مسلمانوں کا قافلہ کوچ کر گیا تو وہ نادانستہ طور پر پیچھے رہ گئیں۔ کئی گھنٹے تنہا گزارنے کے بعد، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے ذریعہ ڈھونڈیں گئیں، جنہوں نے انہیں فوج کے اگلے قافلے کی طرف لے جانے کی راہ پر گامزن کر دیا۔ اس واقعہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب بدینیتی پر مبنی افواہوں کو جنم دیا، لیکن یہ افواہیں مختصر مدت کی تھیں اور ان کی بے گناہی کسی بھی شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ واقعہ ہر دور اور تمام معاشرتی حالات کے لئے ایک اخلاقی تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ شبہ کا فائدہ ملزم کا ہوتا ہے اور وہ قصور وار ثابت ہونے تک بے قصور ہوتا ہے۔

ثابت ہونے سے پہلے تک معصوم

جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اُسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟ وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ 12:24-13

"ایک دوسرے کو بہتر سمجھو،" جیسا کہ ہر ایک کو بے قصور سمجھنا چاہئے جب تک کہ وہ قصور وار ثابت نہیں ہوتا۔ اس عمومی اصول کا تقاضا ہے کہ کسی معاشرے میں تعلقات نیک نیتی پر مبنی ہوں نہ کہ شکوک و شبہات پر۔

اچھے گمان کا بہتان لگانا

کیونکہ اُسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ (24:16-17)

یہ مداخلت "اے آپ ﷺ جو اپنی شان میں بے حد ہیں" مومن کے اخلاقی فریضے پر زور دیتا ہے کہ وہ جب بھی سننے، یا اعادہ کر تو وہ خدا کے بارے میں سوچے، کیونکہ اس طرح کی ہر افواہ ایک پر جوش، بدنامی ہوتی ہے، جب تک کہ اس کی یہ حقیقت قانونی طور پر قائم نہ ہو۔

گناہوں کے مرتکب کا کفارہ

جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم۔ (24:11, 26)

غلطی کا الزام لگانے والے شخص کے لئے چاندی کا استر ہے کیونکہ خدا کی نظر میں ظلم و ستم کی وجہ سے ہونے والی ناخوشی مصیبت زدہ شخص کو روحانی خوبی عطا کرتی ہے، جیسا کہ ہر ناجائز پریشانی کو صبر سے برداشت کیا جاتا ہے۔ گناہوں کی معافی بہتان کا نشانہ بننے والوں کے لئے بڑھائی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بھی کوئی مومن کسی مشکل، تکلیف، اضطراب، غم، تکلیف، تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے — یہاں تک کہ اگر اسے کوئی تکلیف پہنچی ہو، خدا اس کے کچھ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔" خدا کے "گناہوں کی معافی" کا حوالہ انسان کی فطرت کی فطری کمزوری پر زور دینا ہے، جس سے وہ گناہ کا شکار ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ اچھی اور پاکیزہ ہے (4:28)۔

تہمت لگانے کی سزا

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو، اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور) ان کے حق میں (غفور و رحیم ہے۔ (24:4)

5)

محسنت کی اصطلاح شادی، ایمان اور خود اعتمادی کے ذریعہ لفظی طور پر "وہ خواتین جو گندگی کے خلاف مضبوط ہیں" قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قانونی طور پر ہر عورت کو پاکیزہ سمجھا جانا چاہئے جب تک کہ اس کے برخلاف کوئی حتمی ثبوت پیش نہ کیا جائے۔ یہ حکم امتناعی ان مقدمات پر بھی لاگو ہوتا ہے جہاں ایک عورت مرد پر غیر قانونی جنسی جماع کا الزام عائد کرتی ہے اور وہ قانونی طور پر اس کا الزام ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ ایسے

معاملات میں سزا کی سختی کو ماننا پڑتا ہے۔ چار گواہوں کی ضرورت - ان دو کے بجائے جو اسلامی قانون دوسرے تمام مجرمانہ اور شہری مقدموں میں کافی ہے بہتان اور ہاتھ سے الزامات کی روک تھام کی ضرورت پر مبنی ہے۔

جیسا کہ نبی ﷺ کے متعدد مستند اقوال میں بیان کیا گیا ہے، چاروں گواہوں کا ثبوت براہ راست ہونا چاہئے اور محض حالاتی نہیں۔ انہوں نے جنسی حرکت کا مشاہدہ کیا ہو اور اسے پوری عدالتی اتھارٹی کے اطمینان کے لئے ثابت کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ چونکہ اس طرح کے مکمل شواہد حاصل کرنا مشکل ہے، اگر ناممکن نہیں ہے تو، مذکورہ قرآنی حکم نامہ کا مقصد غیر قانونی جنسی جماع سے متعلق تیسرے فریق کے الزامات کو ختم کرنا ہے۔ ماسوائے ان کے جو کوڑوں کی سزا بھگتتے کے بعد عوامی طور پر اپنے الزام کو واپس لے لیتے ہیں — جو غلط ملزم کا قانونی حق ہونے کی وجہ سے محض توبہ اور اعتراف جرم کرنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم، جھوٹے الزام کا نشانہ بننے والا رجم سے کوڑے مارنے کی سزا معاف کر سکتا ہے۔ سخت پریشانی ہر ایک پر ہوگی جو دوسروں میں حقیقی یا خیالی غلطیوں کو ننگا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں اور آخرت میں سخت اذیتیں ہیں

جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا، اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے عذابِ عظیم ہے۔ (24:11)

ان لوگوں کے لئے حیرت انگیز مصائب کا منتظر ہیں جو کچھ مخصوص حالات یا معاملے کے پہلوؤں پر زور دے کر، بدنامی اور بے بنیاد الزام کو مزید قابل اعتبار بناتے ہوئے گناہ میں اضافہ کرتے ہیں۔

• اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آ لیتا۔ ذرا غور تو کرو، اُس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ (24:14-15)

• جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق و رحیم ہے تو یہ چیز جو ابھی تمہارے اندر پھیلائی گئی تھی بدترین نتائج دکھا دیتی۔ (24:19-20)

توبہ نہ کرنے والے گنہگار

جو لوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ وہ بدلہ انہیں بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔ (24:23-25)

ان لوگوں کو زبردست تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا جو نیک عورتوں پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں، جو سوچ سمجھ کر اپنے آپ کو ایسے حالات میں بے نقاب کرتے ہیں جن میں بہتان سازی کی جاسکتی ہے۔ توبہ کی عدم موجودگی اس سلسلے میں ظاہر کی جانے والی مذمت پر دلالت کرتی ہے چونکہ قرآن پاک نے متعدد جگہوں پر یہ واضح کر دیا ہے کہ خدا ہمیشہ گنہگار کی مخلص توبہ قبول کرتا ہے۔ "واضح" کے معنی خدا کے نزول سے، قیامت کے دن، انسان کے اعمال کی اصل نوعیت اور اس گناہ کی جس قدر ہے جو کہ اس حوالہ سے مراد ہے۔

معاف کرو اور برداشت کرو

تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب قدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجرین سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے۔ (24:22)

اس آیت سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ ابو بکر کی بیٹی عائشہ پر تہمت میں حصہ لینے کے بعد، وہ اپنے غریب رشتہ دار مستہ (جس کی اس وقت تک انہوں نے مدد کی تھی) کی مدد کبھی نہیں کریں گے۔ جھوٹی افواہ پھیلانے میں اس کے ادا کردہ کردار کے لئے مستہ کو اسی دھاریوں سے کوڑے مارے گئے تھے۔ مذکورہ آیت کا اخلاقی معاملہ تاریخی ربط سے بے وقت اور آزاد ہے۔ اس نظریہ کو مذکورہ بالا عبور میں کثرت کی شکل میں استعمال کرنے میں اضافی مدد ملتی ہے۔ برائی کا مقابلہ کرنے کے قرآنی اصولوں کے ساتھ "معافی اور برداشت کرو" کا مطالبہ پوری طرح سے مطابقت رکھتا ہے۔ ابو بکر اپنی تکلیف اور تکلیف دہ جذبات کے باوجود، فوراً ہی یہ کہتے ہوئے جواب دیتے ہیں، "خدا کی قسم، میں اس سے محبت کروں گا کہ خدا نے مجھے معاف کر دیا!" انہوں نے فوری طور پر مستہ کے لئے ایک بار پھر مدد شروع کر دی۔

خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ رشتے کے لئے قرآن معافی اور احترام کا درس دیتا ہے۔ نیز، ایک بار جب فاسق شخص کے ذریعہ متعین کردہ قانونی سزا سے گزرنے کے بعد کسی جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، تو اسے اس جرم سے پاک سمجھنا اور کفارہ ادا ہوا سمجھنا ضروری ہے۔

آزادی اظہار کی حدود

تاہم، فکری آزادی کی اپنی حدود ہیں۔ امریکی سپریم کورٹ کے مطابق، تقریر کی مخصوص قسمیں پہلی ترمیم کے ذریعہ محفوظ نہیں ہیں مثال کے طور پر، فحاشی، بچوں میں فحاشی، بدنامی اور "لڑائی کے الفاظ"، یا تقاریر جو دوسروں کے مابین بے قابو ہو کر قانونی کارروائی کو اکساتی ہیں۔ اسلامی معاشروں کے تناظر میں کسی بھی طرح کی فحش نگاری احتساب میں شامل ہے۔

انفرادی حقوق

الوداعی سفر میں اپنے مشہور خطبہ حجۃ الوداع میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ کی جان و مال ایک دوسرے کے درمیان مقدس اور ناقابل تسخیر ہے یہاں تک کہ آپ اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں۔ کسی بھی مسلمان کے لئے کوئی بھی چیز جائز نہیں جس کا تعلق ساتھی مسلمان سے ہو جب تک کہ اسے آزادانہ طور پر اور اپنی مرضی سے نہ دیا جائے۔

کسی فرد کے گھر کی خلاف ورزی کرنا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھر میں داخل نہ ہو اگر وہ جب تک کہ گھر والوں کی رضائے لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمہارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو، تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو سب کی اللہ کو خبر ہے۔ (24:27-29)

مکانات جہاں رہائش نہ ہو، عوامی نوعیت کی عمارتیں یا احاطے ہیں، جیسے کہ اندرون، دکانیں، انتظامی دفاتر، عوامی غسل خانے اور اس طرح کے علاوہ قدیم کھنڈرات۔ مندرجہ بالا آیات ہر شخص کے گھر اور نجی زندگی کی ناقابل تسخیر آزادی کی خوبی کو اجاگر کرتی ہیں۔ کسی بھی گھر میں اس کے حق دار مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی ممانعت کی وجہ سے، یہ ممکنہ بہتان کے خلاف افراد کے اضافی تحفظ کا کام کرتا ہے۔

رازداری کا حق

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کو جبکہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر، تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے، اور وہ علیم و حکیم ہے۔ (24:58)

نوعمرؤں کے لئے رازداری

اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لیکر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے، اور وہ علیم و حکیم ہے۔ (24:59)

قرآنی اصول یہ ہے کہ معاشرتی اور فردی، نیز انسانی زندگی کے روحانی اور مادی پہلوؤں میں ان کے ساتھ ایک غیر منقسم اور آزادانہ طور پر نمٹنا نہیں جاسکتا۔ مذکورہ بالا گفتگو صحت مند معاشرتی طرز عمل کے کچھ اصولوں کی وضاحت کرتی ہے۔ ”جس کے پاس آپ بجا طور پر مالکانہ حقوق ہیں، یہ ایک جملہ ہے جو مرد اور خواتین غلاموں کی نشاندہی کرتا ہے۔ چونکہ، قرآن مجید میں صرف ایک تاریخی رجحان کے طور پر غلامی کے رجحان تصور کیا گیا ہے، جسے وقت کے ساتھ ختم کیا جانا چاہئے، لہذا مذکورہ بالا اظہار کو بھی دونوں جنسوں کے قریبی انحصار اور گھریلو ملازموں کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ تین مواقع جن پر آپ کے برہنہ ہونے کا امکان ہے، کے جملے کو لفظی اور علامتی طور پر سمجھنا ہے۔ یہ بالغ شخص کے جسم کے ان حصوں کی نشاندہی کرتا ہے جو شائستگی میں بیوی یا شوہر کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں آسکتے ہیں یا بیماری کی صورت میں ایک معالج کے سامنے آتے ہیں۔ اس کا اطلاق کسی بھی صورت حال اور حالات پر ہوتا ہے جس میں فرد مطلق رازداری کا حقدار ہوتا ہے۔

دوسروں کے معاملات میں نہ جھانکیں

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے، الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو، اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (مظلوم ہونے کی صورت میں اگرچہ تم کو بدگوئی کا حق ہے) لیکن اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ، یا کم از کم بُرائی سے درگزر کرو، تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (148:4-149)

مذکورہ بالا بیان کسی کے برے کاموں یا اقوال کے بارے میں عوامی طور پر ذکر کرنے سے منع کرتا ہے جب تک کہ اس شخص کی طرف سے اس پر ظلم نہ کیا گیا ہو۔ اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ معاشرے کو متاثر کرنے والے گنہگار رویے کو غلط جماعت کی تشہیر کے لئے عام کیا جاسکتا ہے۔ اس معاملے میں، کچھ برادر اسلامی ممالک میں، ”اخلاقی پولیس“ عام مسلمانوں کے معاملات پر نگاہ رکھتی ہے۔ مذکورہ آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ان کے غیر اسلامی عمل کے خلاف بھی جاسکتے ہیں اگر وہ احتیاط نہیں برتتے۔

اندازہ لگانا، جاسوسی کرنا، اور غیبت کرنا

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ (49:12)

کسی ایسے قیاس آرائی سے پرہیز کریں جس سے کسی دوسرے شخص کے مقاصد پر بے بنیاد شبہات پیدا ہو سکیں (24:19) دیکھیں۔ کمزوریوں کی تلاش کے لئے ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کریں۔ اس میں رازداری کی دیگر خلاف ورزیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے خطوط پڑھنا، نجی گفتگو کو خفیہ طور پر سننا اور پڑوسی کے گھر جھانکنا شامل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "دوسرے لوگوں کے معاملات پر نگاہ نہ رکھو، کیوں کہ جو دوسروں کے رازوں پر نگاہ ڈالتا ہے، خدا اس کے معاملات پر نگاہ ڈالتا ہے، اور جسکی خدا تعالیٰ کی پیروی کرتا ہے وہ اسے اسکے اپنے ہی گھر میں رسوا کر دیتا ہے۔" جاسوسی کی ممانعت افراد کے ساتھ ساتھ ریاست پر بھی لاگو ہوتی ہے، جس میں مندرجہ ذیل مستثنیات شامل ہیں۔

فائدہ مند انجام کے لئے رازداری رکھنا

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے، اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔ (4:114)

مثبت، فائدہ مند انجام کی خاطر خفیہ مذاکرات کی اجازت دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ریاستوں یا برادریوں کے مابین امن مذاکرات کو خفیہ گفتگو کی اجازت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ قبل از وقت تشہیر بعض اوقات ان مقصدوں کے حصول کے لئے تعصب کا شکار ہو سکتی ہے یا متعلقہ لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں خیراتی کام شامل ہے۔

الخطاب رضی اللہ عنہ اور گھر کا تقدس

دوسرے خلیفہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کسی کو گھر میں گاتے ہوئے سنا، اور وہ ایک دیوار پر چڑھے اور شراب پکڑنے کے لئے گھر میں داخل ہوئے ایک شخص کو دیکھا جہاں ایک عورت بھی موجود تھی۔ وہ وہاں رہنے والے شخص پر چلائے اور کہا، "اے خدا کے دشمن، کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ خدا کی نافرمانی کریں گے اور خدا آپ کے راز کو بے نقاب نہیں کرے گا؟

اس شخص نے جواب دیا: "اے امیر المومنین، جلدی نہ کریں۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ خدا نے جاسوسی سے منع کیا ہے، اور آپ نے جاسوسی کی ہے۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ دروازوں سے گھروں میں داخل ہونا چاہئے، اور آپ دیوار کے اوپر چڑھ کر اس میں داخل ہوئے ہیں۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ کسی کو بغیر اجازت دوسرے لوگوں کے گھر جانے سے گریز کرنا چاہئے، اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ جواب سن کر، خلیفہ عمر نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی (بخوالہ: ابی بکر محمد بن جعفر، مکارم الاخلاق)

ذرا تصور کریں کہ عام لوگوں نے سلطنت اسلامیہ کے ایک بڑے حکمران کے خلاف مصر سے ایشیاء تک آزادی اظہار رائے کی۔ آج کے چھوٹے مایوس کن حکمرانوں کو عالم اسلام میں چیلنج کرنے کی اتنی ہمت کسی میں ہو سکتی ہے؟

نہ صرف افراد بلکہ حکومت کے لئے بھی لوگوں کے رازوں کی جاسوسی کرنا، ان کے گناہوں اور غلطیوں کو دریافت کرنا، اور پھر انہیں سزا کے لئے ضبط کرنا ممنوع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جب حکمران لوگوں میں شکوک و جواہات کی تلاش شروع کر دیں تو یہ ان کو بدعنوان بناتا ہے۔"

غلامی اور نسل کے تعلقات

غلامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران عالمگیر طور پر رواج رکھتی تھی اور معاشرے کے معاشرتی تانے بانے کا حصہ تھی۔ غلامی خدا کی عطا کردہ آزادی کو مجروح کرتی ہے۔ قرآن مجید میں غلامی کا رجحان محض ایک تاریخی رجحان کے طور پر دیکھا جاتا ہے جسے وقت کے ساتھ ختم کیا جانا چاہئے۔ اچانک غلامی کا خاتمہ سیاسی اور معاشی طور پر ممکن نہیں تھا۔ غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے، جنگ میں جانے کی ضرورت کے بجائے، جیسا کہ امریکیوں نے خانہ جنگی میں کیا، قرآن اخلاقی اور معاشرتی استقامت کا استعمال کرتا ہے۔ قرآن مجید نے غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہت بڑا زور دیا ہے اور اسے مختلف خطاؤں کے کفارہ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

- اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہادے، **إلا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ (4:92)**
- اللہ تمہیں تمہاری فضول قسموں پر نہیں پکڑتا لیکن ان قسموں پر پکڑتا ہے جن پر تم اپنے آپ کو پابند کرو، سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو) اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے (ایسا کھانا) جو تم اپنے گھر والوں کو دیتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا یا گردن (غلام) آزاد کرنا، پھر جو شخص یہ نہ کر پائے تو پھر تین دن کے روزے رکھنے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ، اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنے حکم بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ (5:89)
- جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اُس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ (58:3)

اسے رائج کرنے کے لئے نبی ﷺ نے تریٹھ غلاموں کو آزاد کیا۔ انہوں نے بہت سارے مواقع پر فرمایا کہ خدا کی نظر میں، کسی انسان کو غلامی سے غیر مشروط طور پر آزاد کرنا ان قابل تعریف اعمال میں شامل ہے جو مسلمان انجام دے سکتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کے اشارے نے غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے ایک تحریک پیدا کی اور لوگوں کو رضا کارانہ طور پر یا ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے یا معاشی معاوضہ قبول کر کے آزادانہ طور پر غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے قائل کرنے، مذہبی احکامات، اور قانونی نفاذ کے لئے ایک تحریک پیدا کی۔

غلامی کا بتدریج خاتمہ

غلاموں کے حصول کے لئے ممانعت

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ (8:67)

آخر کار غلامی کے خاتمے کے لئے، قرآن مجید نے مندرجہ بالا حکم دیا ہے کہ صرف جہاد میں لئے گئے اسیروں کو، غلام رکھا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہمیشہ کی طرح پیغمبر کو ایک حکم نامہ جاری کیا گیا جس میں ان کے اصحاب کو بھی پابند کیا گیا۔ مذکورہ آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کسی بھی شخص کو جب تک وہ جہاد میں قیدی کے طور پر گرفتار نہیں کیا جاتا، جب تک کہ وہ عقیدے یا آزادی کے دفاع میں ایک منصفانہ جنگ نہ ہو، اسے قید میں نہیں رکھا جاسکتا۔

پر امن ذرائع سے غلام کا حصول، اور اس طرح حاصل کردہ غلام کار کھنا ممنوع ہے اور یہ ایک معاشرتی اقدار کی حیثیت سے غلامی کی ممانعت کے مترادف ہے۔ جنگی قیدیوں کا تبادلہ جنگی قیدیوں کے لئے کیا جائے یا تاوان کی ادائیگی پر رہا کیا جائے۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ایسے اغوا کاروں کو رہا کیا جانا چاہئے۔ اسلامی معاشروں میں غلامی آہستہ آہستہ معدوم ہو گئی۔

پس جب ان کافروں سے تمہاری مٹ بھیز ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کرلو، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ (47:4)

دوسروں کی مدد کرنا اور غلاموں کو آزاد کرنا

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور ان لوٹنی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔ (4:36)

"جن کے آپ بجا طور پر مالک ہیں، کا مطلب دونوں جنسوں کے غلام ہیں۔ اس آیت میں ان تمام لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو آپ کے اختیار میں ہوں اور غلام کے لئے سب سے بہتر کام اس کو آزاد کرنا ہے۔ مندرجہ بالا حوالہ بالواسطہ طور پر غلاموں کو آزاد کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

سچا تقویٰ اور غلامی کا خاتمہ

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلائے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ (2:177)

انسانوں کو غلامی سے آزاد کرنا، اسیروں کو تادان اور غلاموں کو آزاد کرنا دونوں پر لاگو ہوتا ہے۔ تقویٰ کے اعمال میں اس کو شامل کرنے سے، قرآن کا مطلب ہے کہ لوگوں کو غلامی سے آزاد کرنا۔ غلامی کا خاتمہ۔ اسلام کے معاشرتی مقاصد میں سے ایک ہے۔

غلاموں کے لئے آزادی

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و پینا ہے۔ (9:60)

انسانوں کو غلامی سے آزاد کرنے کا ایک خاص مقصد ذکر کیا گیا ہے جس کے لئے زکوٰۃ کے مال کو مختص کیا گیا۔

تم میں سے جو لوگ مجرہ ہوں، اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔ (24:32)

آزادی کا عمل تحریری طور پر باہمی معاہدہ ہے، ایک فقہی اصطلاح جسے آزادی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ غلام اور اس کے مالک کے درمیان معاہدہ ہے۔ غلام اور مالک کو چاہئے کہ وہ اپنی دولت کو مساویانہ انداز میں غلام کے ساتھ بانٹ دے، جو آزادی سے پہلے قابل ادائیگی ہے۔ ان کے لئے اسے تحریر کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مالک آزادی کے عمل سے انکار نہیں کر سکتا، اگر غلام نیک کردار کا حامل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی قانون نے ابتدا ہی سے، ایک معاشرتی ادارے کی حیثیت سے غلامی کے خاتمے کو نشانہ بنایا ہے اور جدید دور میں اس کی ممانعت اسی مقصد کو حتمی طور پر نافذ کرنا ہے۔

غلاموں کے ساتھ یکساں سلوک

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی، پھر جنہیں فضیلت دی گئی وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، پھر کیا اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ (16:71)۔

اور جنہیں خدا نے فضیلت دی، کا تعلق ان غلاموں سے ہے جو جنگ کے دوران قید کیے گئے (دیکھئے 191-2.190 اور 8.67 آیت) یا وہ جو زندہ رہنے کے لئے دوسروں پہ انحصار کرتے ہیں، کہ وہ مالک کی ذمہ داری ادا کر سکیں۔

ضروریات زندگی کے سلسلے میں اپنے آپ کو یکساں بنیاد پر رکھنا اسلام کا مطالبہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ آپ کے بھائی ہیں، جو اختیار خدا نے آپ کو دے رکھا ہے، یہ اس میں آپ پر انحصار کرتے ہیں۔ لہذا، جس کے پاس اس کا بھائی کا اختیار ہے، وہ اسے وہ کھلائے گا جو وہ خود کھاتا ہے، اسے وہ پہنائے گا جو وہ خود پہنتا ہے۔

اور ان پر کسی چیز کا بوجھ مت ڈالو جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ لیکن اگر آپ ان پر بوجھ ڈالیں تو ان کی مدد کریں۔ تاہم، مرد اکثر اخلاقی ذمہ داری کے اس شعور پر قائم رہنے میں ناکام رہتے ہیں، اور یہ ناکامی خدا کی نعمتوں اور ان کی تمام مخلوقات کی نگاہ سے انکار کے مترادف ہے۔

لونڈیوں کے حصول کی ممانعت

- اور جو شخص تم میں سے اتنی قدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (مُحْصَنَات) سے نکاح کر سکے اسے چاہیے کہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مومنہ ہوں۔ (4:25)
- اور اپنی لونڈیوں کو اپنے ذنبی فائدوں کی خاطر قبحہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں، اور جو کوئی اُن کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ اُن کے لیے غفور و رحیم ہے۔ (24:33)

یہاں شادی سے پہلے کی اصطلاح غلام لڑکیوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ اگر لونڈیوں کو شادی کے ذریعے بددیانتی کے خلاف تحفظ کی خواہش ہو تو انہیں بدکاری پر مجبور نہ کریں۔ مذکورہ بالا آیت میں صریحاً بیان کرتے ہوئے اس کو حرام کاری کی ممانعت کا اعادہ کیا گیا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے کہا، "کسی شخص کو دو گنا اجر ملے گا اگر وہ کسی خاتون غلام کی حیثیت سے اس کو اچھے سلوک کی تعلیم دے، بہترین طریقے سے اس کی تربیت کرے اور اس میں خوبی پیدا کرے اور پھر اس سے شادی کرے۔

غلام سے شادی کرنا حلال ہے

اے نبیؐ، ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں، اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں، اور تمہاری وہ چچا زاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے، اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ہو اگر نبیؐ اسے نکاح میں لیتا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں۔ (تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ (33:50)

اسلام مرد اور عورت کے مابین جنسی تعلقات کی ممانعت کرتا ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے شادی نہ کریں۔ ہاں مگر نبی ﷺ کے دور میں لونڈیوں کے ساتھ جنسی تعلق کی شریعت اسلامیہ نے اجازت دی تھی۔ اسلام کسی بھی طرح کے ناجائز تعلق کی حمایت نہیں کرتا اور یہی بات صحیح ہے اگر عورت غلام کی مالک ہے اور مرد اس کا غلام ہے۔ اس سلسلے میں، ایک "آزاد" عورت اور غلام کے درمیان صرف اتنا ہی فرق ہے کہ اگرچہ سابقہ کو اپنے شوہر سے حق مہر وصول کرنا ہوگا، لیکن اس طرح کی ذمہ داری کسی ایسے آدمی پر عائد نہیں کی جاتی ہے جو اپنے غلام سے شادی کرتا ہے (لفظی طور پر، "وہ جنہیں فضیلت دی گئی ہے)، یہ ایک ایسی عورت ہے جس کو عقیدہ یا آزادی (جہاد) کے دفاع میں لڑی جانے والی ایک منصفانہ جنگ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں، دلہن کو ازدواجی طور پر نکاح کے ذریعہ دی گئی آزادی کو حق مہر کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

اسلام سے قبل غلامی کا دور

اسلام سے پہلے اور اسلامی عہد میں بھی تین طرح کے غلام موجود تھے۔ غلامی کو ایک ضروری برائی کے طور پر قبول کیا گیا تھا کیونکہ یہ معاشرے کے معاشی تانے بانے کا ایک حصہ تھا۔ اسلام نے غلامی کو کالعدم قرار نہیں دیا بلکہ اپنے پیروکاروں کو غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ مختلف گناہوں کی قیمت ادا کر سکیں۔ غلامی آہستہ آہستہ عربیہ سے غائب ہو گئی، لیکن اس میں کافی وقت لگا۔ جب امریکہ میں غلامی پر پابندی عائد کی گئی تھی، تو اس نے بہت بڑی جانی نقصان کے ساتھ خانہ جنگی کا باعث بنی، لیکن غلامی کی برائی کو نسبتاً قلیل وقت میں ختم کر دیا گیا۔ تین طرح کے غلام یہ تھے؛

موروثی غلام

جو نہیں جانتے تھے کہ ان کے آباؤ اجداد کب غلام بن گئے ہیں۔ قرآنی احکامات کی وجہ سے، کچھ دہائیوں میں موروثی غلام آزاد ہو گئے۔

آزاد افراد

جو پکڑے گئے تھے اور غلاموں کی طرح بک گئے۔ اسلام نے اس طرح کی غلامی پر مکمل طور پر پابندی عائد کر دی تھی۔

جنگ کے قیدی :

جنگ ختم ہونے تک اسلام نے جنگی قیدیوں کو غلام کے طور پر رکھنے کی اجازت دی۔ جلد چار، جنگ کے قیدیوں کے لئے انسانی حقوق دیکھیں۔

استیازی تعلقات

نسل پرستی، قبیلے اور قوم پرستی پر پابندی

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ یہ بدوی کہتے

ہیں کہ ”ہم ایمان لائے“۔ ان سے کہو، تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ”ہم مطیع ہو گئے“۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا، یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔ (14-49:13)

یہ بدوؤں کے قدیم اور معزز قبائل کی جانب اشارہ ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق بنیادی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر بدوؤں سے ہے، لیکن اس کی درآمد عام اور گزری ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں تمام قبائلی ترجیحات اور تعصبات کی مذمت کی گئی ہے اور ان کو ترک کرنا سچے عقیدے کی شرط ہے۔ انسانیت ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوئی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حیاتیاتی اصل کی یہ مساوات انسانی وقار کی مساوات کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک دوسرے سے کسی کی برتری کے بغیر، سب ایک ہی انسانی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسانوں کی قوموں اور قبائل میں ترقی کا مقصد ان کے ظاہری اختلافات کی بنیادی وحدت کو سمجھنے اور اس کی تعریف کرنے کی باہمی خواہش کو کم کرنے کے بجائے فروغ دینا ہے۔ قرآن مجید اس کی مذمت کرتا ہے، اور پیغمبر نے تمام نسلی، قومی یا قبائلی تعصبات کی واضح طور پر مذمت کی ہے۔

نسل پرستی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین

نبی ﷺ کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں، جس میں انہوں نے نسل پرستی کی مذمت کی ہے: ”وہ ہم میں سے نہیں ہے جو قبائلی تعصب کا اعلان کرتا ہے، اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو قبائلی تعصب کی بنا پر لڑتا ہے، اور وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو قبائلی تعصب کی بناء پر ہی مرجاتا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ”قبائلی جماعت کی شراکت داری“ کے معنی بیان کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ”اس کا مطلب ہے آپ اپنی قوم کی کسی ناجائز مقصد میں مدد کریں۔“ لوگوں کی اپنے قومی یا قبائلی ماضی کی فخر کی بات کرتے ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”خدا نے آپ کے باطن سے کافر جاہلیت کا تکبر دور کر دیا ہے۔ انسان صرف ایک خدا کا سمجھدار مومن ہے یا بد قسمت گنہگار ہے۔“

”تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔“

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ”کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ کسی گورے آدمی کو کسی سیاہ فام آدمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے، اور کسی سیاہ فام آدمی کو کسی گورے آدمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کی بنیاد کے۔“

خدا قیامت کے دن آپ کے نسب کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ نیک ہے۔ مغربی تہذیب اور ہندو مت میں ایک بڑی لعنت نسل پرستی کا رواج رہا ہے۔ کچھ یہودی اپنے آپ کو ابراہیمؑ سے نسب کی وجہ سے منتخب لوگ مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض عرب لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے برتر ہیں۔ طبقاتی امتیاز کو ہندو بھی رواج دیتے ہیں، جہاں برہمنوں کو برتر سمجھا جاتا ہے، اور شودروں کو کمتر اور ناپاک سمجھا جاتا ہے۔

اسلام نسلی مساوات پر زور دیتا ہے، اور نسلی امتیاز کو گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا حتمی امتحان باہمی تعلقات کی آمادگی ہے، اور انبیاء نے جان بوجھ کر اس مثالی غیر واضح کردار کو انسانیت کے سامنے ظاہر کرنے کے لئے شادی کی ہے۔ مسلم تاریخ کے مطابق ابراہیمؑ کی دوسری بیوی ہاجرہ ایک سیاہ فام افریقی تھیں۔ محمد ﷺ خود بھی عیسیٰؑ کی مانند سورج کی طرح سفید تھے۔ لیکن انہوں نے ایک سیاہ فام عورت سے شادی کی اور اپنی بیٹی کو ایک سیاہ فام آدمی سے بیاہ دیا۔ آج ان کے پیروکار تمام رنگوں سے آتے ہیں۔ افریقہ کے سیاہ فام آدمی، ملائیشیا کے بھورے مرد، چین کے پیلے رنگ کے مرد، ترکی کے سفید فام مرد۔ آج رنگین ہوش میں ایشیاء اور افریقہ میں اسلام نے جو اہم پیشرفت کی ہے اس کا تعلق اس واضح انداز سے ہے جس میں نسلی مساوات کے اصول کو اس کی تعلیمات میں شامل کیا گیا ہے۔

مجرمانہ قوانین

حلف اور گواہی دینا

خدا سے عہد

اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ تمہاری حالت اُس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سُوت کا تا اور پھر آپ ہی اُسے نکلڑے نکلڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکرو فریب کا ہتھیار بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے حاصل کرے حالانکہ اللہ اس عہد و پیمان کے ذریعے سے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اور ضرور وہ قیامت کے روز تمہارے تمام اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔ (92-16.91)

جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، یہ جملہ انسان کے ذریعہ انسان کو دیا ہوئے، خدا سے ایک عہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس قسم کو نہ توڑیں جو آپ نے شعوری اور آزادانہ طور پر اٹھائی ہو۔ حلف توڑنا اپنے کیے گئے عہد کو توڑنے کے مترادف ہے۔ بغیر سوچے سمجھے یا کسی خوف دھمکی میں اس وعدے سے آپ مستثنیٰ ہیں کیوں کہ لوگ آپ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔

وعدہ توڑنے کی اجازت کب ہے؟

اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو، جن سے مقصود نیکی اور تقویٰ اور بندگان خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز رہنا ہو۔ اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ جو بے معنی قسمیں تم بلا ارادہ کھالیا کرتے ہو، ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو، ان کی باز پرس وہ ضرور کرے گا۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔ (224:2-225)

یہ حکم امتیازی طور پر طلاق سے متعلق قسموں سے مراد ہے لیکن اس کی اصطلاح میں عام بات ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق متعدد مستند روایات ہیں: "اگر کوئی کوئی حلف اٹھاتا ہے (کہ وہ ایسا کرتا ہے یا اس طرح کے کام سے باز آجاتا ہے) اور اس کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ اور زیادہ نیک راستہ ہو گا، پھر وہ جو کام زیادہ نیک ہے وہ کرے اور وہ اس کی قسم کو توڑ دے اور پھر اس کا کفارہ دے۔

بغیر سوچے سمجھے قسم کا کفارہ

اللہ تمہیں تمہاری فضول قسموں پر نہیں پکڑتا لیکن ان قسموں پر پکڑتا ہے جن پر تم اپنے آپ کو پابند کرو، سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے (ایسا کھانا) جو تم اپنے گھر والوں کو دیتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا یا گردن (غلام) آزاد کرنا، پھر جو شخص یہ نہ کر پائے تو پھر تین دن کے روزے رکھنے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ، اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنے حکم بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ (5:89)

اس سے مراد وہ قسمیں ہیں جن کا مقصد اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے انکار کرنا ہے جس کی شریعت اسلامیہ ممنوع نہیں ہے، جیسے زندگی کی اچھی چیزیں اور بغیر کسی بیان کے تمام قسموں کو، جیسے غصے کے زیر اثر بیان کی گئیں۔ کفارہ کے امکان کا تعلق صرف "حلف" سے ہے۔ بغیر سوچے سمجھے۔ "اور جان بوجھ کر قسموں کی پابندی نہیں کرنا جو دوسرے افراد کو متاثر کرتی ہے، جس پر مومن پابند ہے کہ وہ اپنی پوری صلاحیت سے پوری طرح وفاداری سے عمل کرے۔

عہد توڑنے والوں کے لئے سزا

(اور اے مسلمانو!) تم اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بنالینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قدم جننے کے بعد اٹھ جائے اور تم اس جرم کی پاداش میں کہ تم نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، بُرا نتیجہ دیکھو اور سخت سزا نکھگتو۔ اللہ کے عہد کو توڑنے سے فائدے کے بدلے نہ بیچ ڈالو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے، اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔ (96-16:94)

اگر آپ ایمان لانے کے بعد اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں تو، آپ خدا کو ناراض کر دیں گے، یا آپ کا قدم مضبوطی کے بعد پھسل جائے گا۔ آپ آخرت اور اس دنیا میں برائی کا مزہ چکھیں گے، کیونکہ وعدے توڑنے سے باہمی اعتماد میں بتدریج کمی اور معاشرتی تزئین کا زوال ہوتا ہے۔

گواہی دینا

- (اور رحمن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ (25:72)
- جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں، جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں۔ (33-70:32)

نفرت پر مبنی جھوٹی گواہی

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (5:8)

حق پر گواہ رہو

- اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی پٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ (4:135)
- اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، ۹ (اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پر آگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم گم روی سے بچو۔ (6:152-153)

گواہی دیتے وقت، اس حقیقت کی اجازت نہ دیں کہ ایک آدمی اپنے مال کی دھونس پر آپ کے اپنے حق میں یا خلاف استعمال ہونے دے اور، غلط شفقت میں آکر کسی غریب پر حق سے زیادہ احسان بھی مت کریں۔ "جب آپ رائے دیتے ہیں" کے جملے (جب آپ بات کرتے ہیں) کسی بھی مضمون پر اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے لاگو ہوتے ہیں، چاہے اس کا اپنا تعلق ہو یا نہیں۔ خدا کے سچے بندے جھوٹی گواہی نہیں دیتے (یا جھوٹ نہیں بولتے ہیں) اور نہ ہی وہ جان بوجھ کر کسی ایسی بات میں حصہ لیتے ہیں جو باطل پر مبنی ہے۔

قتل اور غیر ارادی قتل

بچے اور غربت کا خوف

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ (6:151)

اپنے بچوں کو مارنے سے مراد بچوں کا قتل اور اسقاط حمل ہے جس کا تعلق معاشی صورتحال سے ہوتا ہے۔ سوائے کسی قانونی سزا پر عمل درآمد، انصاف کی جنگ، یا جائز دفاع کے علاوہ انسانی جان مت لیں۔

ساتھی مسلمان کا قتل

رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (4:93)

مساوات کا اصول

قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔ (17:33)

کسی کے حقوق کا محافظ عام طور پر ورثا یا حکومت کو لیا جاتا ہے جو اپنے تمام شہریوں کے "حقوق کی محافظ" سمجھی جاتی ہے۔ "غلط طریقے سے مارے جانے" کا جملہ صرف جان بوجھ کر قتل کرے ضررے میں آتا ہے کیونکہ ظلم کا تصور صرف اور صرف غیر ارادی طور پر اور کبھی حادثاتی غلطیوں پر نہیں ہوتا ہے۔ مقتول کے حقوق کا محافظ اور انصاف کی عدالت، اصل قاتل کے سوا کسی پر بھی سزائے موت مسلط کرنے کی حقدار نہیں ہے، لیکن اگر

مقدمہ اس کی ضمانت دیتا ہے تو تخفیف کرنے والے حالات کو مانا جاسکتا ہے اور پوری طرح سے سزائے موت سے باز رکھا جاسکتا ہے۔ آنے والی زندگی میں، متاثرہ شخص کو خصوصی انعام سے نوازا جاتا ہے جو خدا ان سب کو عطا کرتا ہے جس میں وہ بغیر کسی قانونی یا اخلاقی جواز کے مارے گئے ہیں۔

سزائے مجرم کے مطابق ہو

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خوں بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خوں بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ قل وخردرکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔ (178:2-179)

قرآن مجید میں یہاں عمومی قتل کے مقدمات کی بات کی گئی ہے، انتہائی اشتعال انگیزی، مجرمانہ قتل، حادثاتی قتل وغارت گری، اور اسی طرح کے باقی قتل عام کے واقعات شامل ہیں۔ زیادہ تر پرانے مفسرین کے مطابق، مذکورہ عبارت کے آغاز میں قصاص کی اصطلاح، تقریباً مساوات کے مترادف ہے اور کسی چیز کو دوسری چیز کے برابر بناتی ہے، اس مثال میں سزا کو جرم کے برابر یا مناسب بنادیتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ اس کا بدلہ بدلہ نہیں بلکہ "محض انتقام" کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ واضح ہے کہ کسی زندگی کے لئے، ایک انتقامی کارروائی کی اصطلاح میں شامل زندگی کا حصول، ہر معاملے میں، مساوات کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوگا۔

اس آیت (4:92) میں واضح کیا گیا ہے، کہ غیر اراداً قتل عام سے متعلق قانونی معاوضے سے نمٹا جانا چاہئے۔ اس لفظ کو اگر پڑھیں "صرف بدلہ"، جو اس حوالہ سے تعبیر ہوتا ہے، یہ شرط "آزاد کے لئے آزاد، غلام کے لئے غلام، عورت کے لئے عورت" کو اس کے محض لفظی معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔

لہذا، مذکورہ بالا شرائط کو اظہار خیال کے انداز (اعجاز) کی ایک مثال کے طور پر سمجھا جانا چاہئے جس کا قرآن مجید میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور اس کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے: اگر کسی غلام نے جرم کیا تو اسے سزا ملے، آزاد نے کیا تو اسے سزا ملے، قصور وار شخص کی حیثیت کچھ بھی ہو، اسے اکیلے ہی جرم کی مناسب انداز میں سزا دی جائے، "علیٰ هذا القیاس۔۔۔"

حالات کو کم کرنا

"اگر [اس کے جرم کی کوئی چیز] اس کے بھائی کے ذریعہ کسی قصور وار کو پہنچادی جائے" تو اس جملے سے مراد قتل کے معاملے میں تخفیف شدہ صورت حال پیدا کرنا ہے۔ مقدمے کی سماعت کا مقدمہ مجرمانہ قتل یا قتل عام کے زمرے میں آتا ہے، اس طرح اس سے سزائے موت کو کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ قرآنی معافی اور عملی طور پر برداشت کو بڑھاوا دینے کی تکرار کے ساتھ، مذکورہ بالا معافی معاوضے کے کسی بھی دعویٰ کی جزوی یا اس سے بھی

پوری طرح چھوٹ سے متعلق ہو سکتی ہے، خاص طور پر حادثاتی قتل عام کے معاملات میں۔ "اپنے بھائی" سے حیاتیاتی بھائی مراد نہیں ہیں۔ اس سے "اس کے اسلامی بھائی" یا اس کے ساتھی آدمی کی نمائندگی ہوتی ہے۔ کسی بھی اصطلاح میں، پوری برادری، یا اس کے قانونی اعضاء، شامل ہیں۔

مالیاتی معاوضہ

اگر قصور وار پر سزائے موت کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے تو، پھر مقتول کے ورثاء کو معاوضہ دیا جاتا ہے، یا ہر جانہ کی ادائیگی کے ذریعہ معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ لفظ "ہر جانہ" اپنے آپ کو یا قرض سے بری کرنے کے ایک عمل کی نشاندہی کرتا ہے اور اس کا مطلب ہے کہ مجرم شخص پر عائد قانونی تلافی کی جائے۔ یہ معاوضہ یا ہر جانہ اچھے انداز میں دیا جانا ہے۔ - ملزم کی صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے اور بعد میں، اپنی مرضی سے اور خلوص نیت سے اپنی ذمہ داری سے بری کر کے۔

مذکورہ آرڈیننس میں سزا کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو سزا کے طور پر جان بوجھ کر جرم کرتے ہیں۔ محض انتقام کا مقصد بدلہ نہیں بلکہ تحفظ اور ایک برادری کی حیثیت سے آپ کے لئے ایک حفاظت کا تحفظ ہے تاکہ آپ سلامتی میں رہ سکیں، کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ آپ زندہ رہیں۔

قتل عام کا بدلہ

کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے، اِلّا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے۔ اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے، اِلّا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانابہ۔ (4:92)

مقتول کے وارث یا منحصر افراد اس وقت تک معاوضے کے مستحق ہیں جب تک کہ وہ خیرات کے ذریعہ اسے ترک نہ کر دیں۔ کسی مومن روح کو غلامی سے آزاد کرنے سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں کسی جنگ میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اگر ایک مقتول شخص کا تعلق کسی دشمن سے ہے جو مسلمانوں سے جنگ لڑ رہا ہے تو، ورثاء کو معاوضہ ادا کرنا ممکن نہیں ہو گا، لیکن پھر بھی غلام کو آزاد کرنا حکومت وقت کے ہاتھ میں ہے۔ اگر مقتول ایک غیر مسلم ہے جس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کے معمول کے مطابق، پر امن تعلقات ہیں، تو یہ سزا وہی ہے جو قتل کے جرم میں، اسی طرح کے حالات میں، کسی دوسرے ساتھی کے مومن کے لئے عائد کی گئی ہے۔

اگر کوئی قصور وار معاوضہ ادا کرنے اور کسی غلام کی آزادی خریدنے کا متحمل نہیں ہو سکتا یا غلام کو آزاد ہونے کا پتہ نہیں چلتا تو، وہ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنے کے لئے مقررہ طریقے سے مسلسل دو ماہ روزے رکھے گا۔ جو لوگ قتل کرتے ہیں اور اس سے فرار ہو جاتے ہیں ان کو آنے والی زندگی میں خوفناک تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قتل و غارت گری یا مجرمانہ قتل عام بغیر کسی پیشگی اور نام نہاد "بغض کی مذمت سے پہلے (قتل سے پہلے برے ارادے) کے بغیر کسی دوسرے شخص کا غیر قانونی قتل ہے۔ کسی کو جان سے مارنے یا مہلک صورتحال پیدا کرنے کا کوئی سابقہ ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ قتل سے ممتاز ہے۔ قتل عام کی دو سطحیں ہیں، رضاکارانہ اور غیر رضاکارانہ۔

رضاکارانہ قتل میں جذبہ حرارت میں یا جرم کرتے ہوئے قتل کرنا شامل ہے۔ غیر اخلاقی قتل و غارت گری اس وقت ہوتی ہے جب لاپرواہی والی ڈرائیونگ جیسی وجوہات کی وجہ سے موت واقع ہوتی ہے۔ بہت سے قانونی نظاموں میں، ایک سنگین جرم، بہت سنگین جرائم کی اصطلاح ہے، جبکہ بدانتظامیوں کو کم سنگین جرائم سمجھا جاتا ہے۔ جن جرائم کو عام طور پر سنگین سمجھا جاتا ہے ان میں دیگر جرائم کے علاوہ قاتلانہ حملے، آتش زنی، چوری، قتل اور عصمت دری بھی شامل ہیں۔

بعد کی زندگی میں نتائج

ایک صحیح سند سے ملنے والی حدیث کے مطابق، اگر کوئی شخص اپنے کسی گناہ کے علاوہ پر تشدد موت سے مر جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، کیونکہ اس کے پاس توبہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ غیر منقولہ قتل کے معاملات میں، قتل کے گناہ کے علاوہ، قاتل پر بوجھ پڑتا ہے مقتول کے ان گناہوں کا جو اس کے بے گناہ قتل نے ماضی میں انجام دیا تھا اور جس میں اب مقتول کا قتل بھی شامل ہے۔

چوری کرنا

ہاتھ کاٹنا

اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانہ پینا ہے۔ (5:38)

پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (5:39)

اسلام سے پہلے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا نظریہ پہلے سے موجود تھا اور اس کا رواج اسلام سے پہلے کے عرب ممالک میں تھا۔ عہد نامہ میں مارک 4: 33 میں، یسوع نے بھی ہاتھ کاٹنے کے بارے میں ایک حوالہ دیا: "اور اگر آپ کا ہاتھ آپ کو مجروح کرتا ہے تو اسے کاٹ دو، آپ کے لئے بہتر ہے کہ آپ دو ہاتھ رکھنے کے سبب زندگی میں داخل ہوں جہنم میں جانے کے لئے، اس آگ میں جو کبھی نہیں بجھائے جائیں گے۔"

روایتی وضاحت

مذکورہ آیات کی روایتی وضاحت یہ ہے کہ حکام سزایافتہ چور کا ہاتھ کاٹ دیں۔ اسلامی قانون کے بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی پر اس سے متعلق حق دیے بغیر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا ہے۔ قرآنی عذاب کی انتہائی سختی کے اس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ متعدد قرآنی احکامات اور نبی اکرم ﷺ کے احکامات سے ظاہر ہے کہ معاشرے یا ریاست کو اتنا تشکیل دینا چاہئے کہ ہر فرد کم سے کم مادی بہبود اور سلامتی سے لطف اٹھائے اور دوسروں کی حق تلفی نہ کرے۔

اگر لوگوں کی اکثریت اپنی روزمرہ کی روٹی کی تلاش میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے تو غربت، روحانی ترقی کی سب سے خطرناک دشمن بن جاتی ہے۔ غالباً ہی بات نبی ﷺ کے ذہن میں تھی جب انہوں نے انتہائی الفاظ کہے، "غربت حق کے انکار [کفر] میں بدل سکتی ہے۔"

- تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہتے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ (3:140)
- کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا۔ یا فاقے کے دن، کسی قریبی یتیم، یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کی تلقین کی۔ (17-90:13)
- یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں۔ (9:60)

اس معاشرتی تحفظ کا جو اسلام کے ذریعہ تصور دیا گیا ہے یہ اسی پس منظر میں ہے جو قرآن نے ہاتھ کاٹنے اور ڈکیتی کی سزا کے طور پر ایک ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا عائد کر دی ہے۔ یہ اس اصول کی صحیح تعریف تھی کہ عظیم خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے دور میں ہاتھ کاٹنے کی سزا معاف کر دی، جس قحط نے ان کے دور حکومت میں لوگوں کے لئے مشکلات پیدا کیں تھیں۔ چونکہ اس قحط کی وجہ سے عالم اسلام میں غربت بہت بڑھ رہی تھی، لہذا خلیفہ عمر کی مثال پر عمل کرتے ہوئے ہاتھ کاٹنے کا قانون چھوڑا جائے۔ اس دوران بیشتر حکام عوامی خزانے، کھانے کی اشیاء اور دیگر معمولی چیزوں سے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے سے مستثنیٰ ہوں گے۔

متبادل نقطہ نظر

علامتی معنی

عربی ترجمہ شدہ لفظ کاٹنا جو کہ آیت 5:38 میں آیا ہے وہ قرآن میں اسی فعل کی شکل میں چودہ دیگر بار استعمال ہوا ہے، اور دو استثناء کے ساتھ، دیگر تمام واقعات کا مطلب ہے "تعلقات کو ختم کرنا" یا "کتر دینا" کی غیر نفسیاتی یا استعاراتی معانی کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ نیز عربی زبان کا لفظ "ایدی" ہاتھ، قرآن مجید میں استعاراتی انداز میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب ہے "طاقت و قوت" ہے جس کا مطلب مجرم کو سزا میں ناصرف جسمانی طور پر ہاتھ کاٹنا ہے بلکہ اس کی طاقت و قوت کے منع کو ختم کیا جائے۔

کلاسیکی عربی محاورہ میں، "کسی کے ہاتھ کاٹنا" اکثر کسی کی طاقت کو ختم کرنے کا بھی مترادف ہے۔ متبادل انسانی تشریح ہاتھ کاٹنے کے علامتی معنی پر مبنی ہے جو مظلوم کو معاوضہ دینے کے لئے اس کے وسائل سے چور کو محروم کر رہی ہے۔ قاتل کی زندگی کو صرف معاوضے میں بچانے کے لئے بھی ایسا ہی تصور ہو گا۔ (تفصیلی وضاحت کے لئے، ڈبلیو محمد کے ذریعہ اسلام کے بارے میں 50 عام غلط فہمیاں ملاحظہ کریں)

جھوٹا الزام لگایا جانا

یوسفؑ کی کہانی اس کی عمدہ مثال ہے کہ کیوں چور کا ہاتھ کاٹنا چاہئے۔ جب ان کے بھائی بنیامین پر بادشاہ کا بیالہ چوری کرنے کا جھوٹا الزام لگایا گیا: (12:79-70) تو یوسفؑ نے بنیامین کا ہاتھ نہیں کاٹا تھا بلکہ اس کے بجائے اسے غلام بنا کر رکھا تھا۔ اگر بنیامین کے معاملے میں بھی مبینہ چور پر الزامات عائد کیے جانے یا جھوٹے الزام لگائے جائیں تو کیا ہو گا؟ بے قصور ہونے والے ملزم چور کا ہاتھ کاٹنا سنگین ظلم ہو گا۔ اس لئے بغیر پختہ ثبوت کے اس سزا

پر عملدرآمد ظلم ہو گا۔ لہذا ایسی سزا جس میں آپ مجرم کو معاشرے کے لئے عبرت بنانے کے باقی افراد کو اس سزا سے محفوظ رکھنا چاہتے ہوں تو مجرم کو سزا پہنچنے اور واضح ثبوتوں کی بنا پر دی جائے گی۔

اگر کوئی شخص برا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا۔ مگر جو برائی کمالے تو اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی، اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے اور وہ حکیم و دانائے ہے۔ پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا اس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ (112:4-110)

مذکورہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمنا نامی شخص کے معاملے میں نازل ہوئی تھیں، جس نے کسی دوسرے شخص کا اسلحہ چوری کر کے ایک یہودی کے گھر میں چھپا دیا تھا۔ اس زہ کے مالک نے یہ معاملہ پیغمبر ﷺ کے سامنے رکھا اور تمنا پر الزام لگایا کہ اس چوری کا الزام یہودی پر لگایا۔ ملزم، اس کے عزیز و اقارب اور پورے قبیلہ نے تمنا کا زبردست دفاع کیا اور یہودی کو مجرم قرار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرنے ہی والے تھے کہ مذکورہ آیات نازل ہو گئیں۔ بے گناہ یہودی کو بری کر دیا گیا اور تمنا کو قصور وار ٹھہرایا گیا۔ تمنا نے مدینہ چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کھل کر کفار مکہ میں شامل ہو گیا۔ اگر اس بے گناہ یہودی کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تو کسی بے گناہ شخص کو ناقابل واپسی جرمانے کی سزا دے کر، یہ سراسر نا انصافی ہوتی۔

مساوات کا اصول

لفظی طور پر چور کا ہاتھ کاٹنا قرآن مجید کے مہربان خدا کی عام روش کے خلاف ہے۔ سزا جرم کی شدت، برابری کے اصول کے مطابق ہونی چاہئے۔ ناقص سزا، مسلط کرنا انسانی ہاتھوں کو کم مادہ چیزوں کے معاوضے کے طور پر مساوات کے اصول کی خلاف ورزی نہیں بلکہ معاشرے میں موجود شریر عناصر سے باقی افراد کو محفوظ بنانا ہے۔

چور سے بھکاری بنادینا

ہاتھ کا کاٹنا متضاد ہے اور وہ چور کو صرف بھکاری میں بدل دے گا، جو معاشرے کے لئے نشان عبرت بن جائے گا اور معاشرے میں موجود باقی افراد جب کے ذہن میں ایسا کوئی منصوبہ ہو بھی جس سے مفید معاشرے کو خطرہ ہو، اپنے منصوبے سے باز رہیں گے۔

سزا کا وسیع پیمانہ

پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (5:39)

اگر کوئی مجرم اپنے جرم کا نشانہ بننے والے شخص کو معاوضہ دے کر اس جرم کی اصلاح کرتا ہے تو حج اس چور کو معاف کر سکتا ہے۔ اوپر ملاحظہ کریں (5:45) جہاں سزا سے زیادہ معافی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جرم کا نشانہ بننے والے چور کو رحمدلی سے معاف کر سکتا ہے۔ اگر چور نے پہلے ہی چوری

کرنے کے لئے ہاتھوں کی کٹنے کی سزا پالی ہے تو پھر توبہ اور معافی کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے۔ کٹنے والے ہاتھوں کی سزا شاذ و نادر ہی لگائی جانی چاہئے اور ان مجرموں کو ان کے متاثرین کو معاوضہ ادا کرنے اور جیل میں وقت گزارنے کے لئے بنایا جانا چاہئے۔

قرآن مجید میں قتل کے معاملے پر غور کریں (جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے)، جو چوری سے کہیں زیادہ سنگین جرم ہے۔ آیت 4:92 ایک مومن کے حادثاتی قتل سے متعلق ہے۔ نہ تو سزائے موت دی جاتی ہے اور نہ ہی جیل کا وقت ہے اگر مقتول کے ورثاء معافی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اسے مقتول کے لواحقین کو مالی معاوضہ ادا کرنا ہو گا۔ آیت 2:178 قتل کے دوسرے مقدمہ سے متعلق ہے جب کسی کو قتل کرنا تھا۔ اس آیت میں قاتل کی جان بچانے کا اختیار بھی فراہم کیا گیا ہے، اگر ہلاک ہونے والے شخص کے اہل خانہ کو اس سے اتفاق ہوتا ہے تو وہ معاوضے کے ساتھ اس کو معاف کر کے سزا سے بچا سکتے ہیں۔ لہذا، اسلام میں، متاثرہ افراد اور لواحقین کے اہل خانہ کو اپنے اوپر ہونے والے تمام جرائم کی سزا کی مقدار طے کرنا ہو گی۔ اگر قتل کے جرم کے لئے معاوضہ قبول کیا جاسکتا ہے تو، یہ غیر منطقی بات ہے کہ چوری کے بہت کم جرم کے لئے اسی طرح کی سزا کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

سعودی عرب واحد اسلامی ملک ہے جہاں چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا عمل ابھی بھی جاری ہے۔ باقی عالم اسلام نے اس سزا کو معطل کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں معاشرتی جرائم کی شرح انتہائی کم درجے کی ہے۔ یورپ اور باقی ترقی یافتہ ممالک، قوانین اور انسانی حقوق میں حد درجہ ترقی کے باوجود معاشرتی اور اخلاقی پستی کی جانب گامزن ہیں۔

علامتی سزا

اسلامی قانون کے تحت طے شدہ بہت ساری سزائیں بڑی حد تک علامتی ہیں اور ان کا مقصد جرم کی سنگینی پر زور دینا ہے۔ غربت کے حالات میں، چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنا اب قابل اطلاق نہیں ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ان سزائوں کا مقصد لوگوں کے تحفظ کی خاطر شریر عناصر کو ڈرانا ہے۔

جنسی گناہ (جنسی زیادتی، حرام کاری، زنا اور ہم جنس پرستی)

فحش اور غیر مہذب سلوک

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں اُن پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو، اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ اُن کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔ اور تم میں سے جو اس فعل کا ارتکاب کریں اُن دونوں کو تکلیف دو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (16:4-15)

فاحشہ کا معنی ہے

فحش کا اظہار غیر قانونی جنسی عمل سے تعبیر نہیں ہوتا۔ اس سے کسی بھی ایسی چیز کی نشاندہی ہوتی ہے جو بے حد ناقص، غیر منقولہ، فحش، غیر مہذب، یا الفاظ یا فعل میں مکروہ ہے اور یہ کسی بھی طرح جنسی زیادتیوں تک محدود نہیں ہے مگر یہ اس کے قریب تر ہے۔ یہ اظہار یہاں غیر اخلاقی طرز عمل کی نشاندہی کرتا ہے جس میں ضروری نہیں کہ زنا یعنی زنا یا زنا کاری کو قرار دیا جائے۔ یہ قابل ذکر ہے کہ مبینہ طور پر جنسی زیادتی یا بدسلوکی کے تمام معاملات میں، قرآن دیگر چار عدالتی مقدمات میں مطلوب دو کے بجائے چار گواہوں کے براہ راست شواہد کا پابند ہے، کیونکہ یہ جرم ثابت ہونے کے بغیر ہے اور اس کی سزا سخت ہے۔ ایسا جرم ثابت ہونے پر سزا دینا لازم قرار پاتا ہے۔

بدکاری اور زنا کاری

زنا کی تعریف

زیادہ تر مغربی زبانوں میں، زنا کو شادی شدہ مرد کے ساتھ اس کی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ یا شادی شدہ عورت کے اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد کے ساتھ جماع کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ زنا کرنا دو غیر شادی شدہ افراد کے مابین جنسی عمل ہے۔ زنا اور زنا کاری میں قرآن تمیز نہیں کرتا۔ اصطلاح زنا، جیسا کہ قرآن مجید میں مستعمل ہے، ایک مرد اور ایک دوسرے کے ساتھ شادی نہ کرنے والی عورت کے مابین رضا کارانہ جنسی عمل کی نشاندہی کرتا ہے، چاہے ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کی شادی دوسرے افراد سے ہو۔ سادگی کی خاطر، زنا کو "زنا کاری" اور اس میں قصور وار کرنے والے کو "زانی" یا "زانیہ" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

تین عظیم گناہ

جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے، اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ (68:25-69)

جو شخص اس آیت میں مذکور تین بنیادی گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرتا ہے اسے قیامت کے دن اس کی تکلیف دوگنی ہو جائے گی۔

بدکاری اور زنا کاری کی سزا

یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ بدکار عورت اور بدکار مرد پس دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو ڈڑے مارو، اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر ہنا چاہیے۔ بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور کوئی نکاح نہیں کرے گا، اور ایمان والوں پر یہ حرام کیا گیا ہے۔ (3-24:1)

زنا کے قریب نہ پھلو، وہ بہت بُرا فعل اور بڑا ہی بُرا راستہ۔ (32:17)

خدا کی اس سورت کے تناظر میں خصوصی اہمیت کی شرائط تسلسل میں بیان کردہ احکامات کی بنیاد سے مربوط ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے سیدھے سادے الفاظ سے غیر منسلک کٹوتیوں، حوالوں، یا کسی بھی دوسرے معاملات کے ذریعہ ان احکامات کو وسیع کرنے یا اس کی وضاحت کرنے کی کسی بھی کوشش کے خلاف ایک خصوصی انتباہ کا ضروری ہے۔

مشرک اور مشرکہ

مرد کے لئے مشرک اور عورت کے لئے مشرکہ عام طور پر ایک ایسے شخص کی نشاندہی کرتی ہیں جو خیالی دیوتاؤں یا خدا کی طاقتوں سے دوسروں کا وابستہ ہونا مانتا ہے یا جو یہ مانتا ہے کہ کسی بھی مخلوق کا اس کی خصوصیات یا طاقتوں میں حصہ ہے۔ یہ اصطلاحات یہاں زنا کے تناظر میں وسیع تر استعاراتی معنی میں استعمال کی گئی ہیں جو اس کی نشاندہی کرتی ہے جو اپنی ہوس کا ارتکاب کرتا ہے یا خدا کے ساتھ شانہ بشانہ مقام یا مقام کی خواہش رکھتا ہے اور اس طرح اس کے بتائے ہوئے اخلاقیات اور اخلاقیات کے اصولوں کی توہین کرتا ہے۔

مفسرین میں سے کچھ مندرجہ بالا حوالہ کو حکم کے معنی میں سمجھتے ہیں: "زانی شخص زنا کار یا مشرک کے سوا کسی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔ اور زانی کے علاوہ کوئی بھی اس سے زنا کار یا مشرک کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔" یہ تشریح متعدد بار مانی گئی ہے۔

قرآن مجید کبھی بھی کسی مومن کے نکاح کی نشاندہی نہیں کرتا ہے، ہاں البتہ اگر اس نے اس اصطلاح کے انتہائی دل چسپ معنی میں، کسی کافر کے ساتھ، گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول ہے کہ ایک بار جب فاسق شخص کو اس کی قانونی سزا دی جاتی ہے تو اس سزا کو اس کا لازمی طور پر کفارہ سمجھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا حصے میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے اور اسے حکم امتناعی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ زنا ایک ناجائز جنسی اتحاد ہے، لہذا، نیکو، جو اس حصے میں دوبار آیا ہے، اس کا رواج نہیں ہو سکتا، جس کی "وہ شادی کرتا ہے" کے مخصوص معنی رکھتا ہے، لہذا اس کو عمومی نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ حلال اور غیر قانونی جنسی جماع دونوں پر لاگو ہوتا ہے۔ "اس کے ساتھ جوڑے" اسی معنی میں ہے کہ عظیم مفسر ابو مسلم (جیسا کہ الرضی کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے) مذکورہ آیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ دونوں شرکت دار یکساں طور پر قصور وار ہیں چونکہ وہ شعوری طور پر اپنا گناہ کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی بہکایا جانے کی وجہ سے معاف نہیں کیا جاسکتا۔

کوڑوں کی سزا

سو کوڑوں کی سزا اس طرح انجام دی جانی چاہئے کہ اس کے اثرات صرف جلد تک ہی محدود رہیں اور اس کے نیچے گوشت تک نہ پہنچ جائیں۔ کوڑے مارنا جو گہرے زخموں یا یہاں تک کہ ان کے وہ گہرے زخموں کا سبب بنتا ہے جو اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ پیغمبر ﷺ نے ہدایت دی کہ ایک کوڑا یا چھری نہ تو زیادہ موٹی اور نہ ہی سخت اور نہ ہی پتلی اور نہ ہی بہت نرم ہونی چاہئے بلکہ اس کی اوسط کثافت ہونی چاہئے۔ پٹیوں سے کوڑے مارنے کی نوعیت قرآن مجید میں لفظ فجلیدہ میں مضمر ہے۔ جلد کا لفظ جلد سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے جلد۔ لغت نگاروں اور تفسرہ نگاروں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ کوڑے مارنے والے اثرات صرف جلد تک ہی محدود رہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قانون کی حد کو ہر طرح کے حالات میں قائم کیا اور معاشرتی برائیوں میں کسی قسم کی چھوٹ نہ دی تاکہ باقی لوگوں کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے۔

زنا کاری یا بد کاری کے جرم کی سزا کو قائم کرنے کے لئے ضروری سخت ثبوت اور انتہائی رازداری کے ساتھ جس کی وجہ سے یہ جرائم ہوتے ہیں، ان کے لئے قانون کی سزا بڑی حد تک علامتی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ اس طرح ہی شاید ان سے نمٹا جاسکے۔ عوام میں سزا دی جانی چاہئے۔ سزا کے دوران موجود لوگوں کی تعداد کو جان بوجھ کر غیر یقینی طور پر چھوڑ دیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب سزا ہو رہی ہو تو اس کی تشہیر کی جانی چاہئے۔ مذکورہ آیت میں زنا کے جرم میں غیر شادی شدہ کو سنگسار کرنے کی بائبل کی سزا کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس کی جگہ کوڑے مارنے کی جگہ دی گئی ہے۔

سنگسار کرنا

مدینہ کے یہودیوں نے ابتدائی مسلمانوں کو سنگسار کرنے کی بائبل والی سزا کے بارے بتایا۔ تاریخ میں یہ موجود ہے کہ مدینہ کے یہودی نبی ﷺ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ پیغمبر نے ان سے پوچھا، "آپ کی کتاب [تورات] میں اس گناہ کی قانونی سزا کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا، "ہمارے کاہنوں نے چار کول کے ساتھ ملزمان کے چہروں کو کالا کر کے اور پھر عوام کے سامنے گھمانے کی بدعت ایجاد کی ہے۔" عبداللہ ابن سلام نے کہا، "اے اللہ کے رسول ﷺ، ان سے کہیں کہ توریت لائیں۔"

جب تورات کو لایا گیا، اور مدینہ کے یہودیوں سے تعلق رکھنے والے راوی نے زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کے سلسلے میں آیت پر ہاتھ رکھا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد کیا ہوا اس کو پڑھنے لگا۔ تب ابن سلام نے اس سے کہا، "اپنا ہاتھ اٹھاؤ!" بائبل کی آیت اس کے ہاتھ کے نیچے تھی۔ تو پیغمبر نے حکم دیا کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔ اس روایت سے سبق حاصل کیا گیا ہے کہ اسلامی قوانین کے تحت غیر مسلموں کو ان کے متعلقہ قوانین سے چلنا چاہئے۔

حدیث میں زنا کا سب سے اہم واقعہ مائز بن مالک السلمی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کیا، جنہوں نے ان سے منہ موڑ لیا اور کہا، "واپس جائیں اور خدا سے مغفرت کی دعا کرو۔" مائز نے چار مرتبہ زنا کا اعتراف کیا۔ تب بھی اس نے کہا، "اگر آپ اسے خفیہ رکھتے، تو یہ آپ کے لئے بہتر ہوتا۔" پھر انہوں نے مائز رضی اللہ عنہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں زنا کے علاوہ کسی بھی گناہ یا جرم کے لئے سنگسار کرنے کی سزا مقرر کی گئی ہو۔ دوسری طرف، حدیث ادب میں متعدد واقعات درج ہیں جہاں پیغمبر نے زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا اور زنا کے لئے ایک سو کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا۔

صحیح بخاری سے حدیث کی ایک دلچسپ روایت، اشع شبانی نے نقل کی ہے، اس سے متعلق ہے: "میں نے عبداللہ بن ابی اوفاسے پوچھا، کیا خدا کے رسول ﷺ نے سنگسار کرنے کی سزا پوری کر دی؟" انہوں نے کہا، 'ہاں۔' میں نے کہا، سور نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟ اس نے جواب دیا، 'مجھے نہیں معلوم (824-8)۔"

زنا سے متعلق تمام روایات کا جائزہ لیتے ہوئے، یہ واضح ہے کہ تقریباً تمام معاملات میں، قصور وار فریقین نے اعتراف کیا اور سنگسار کرنے کی سزا رضا کارانہ تھی۔ اعتراف جرم کی عدم موجودگی میں، چار عینی شاہدین کا تقاضا ہوتا ہے۔ الوداعی زیارت کے دوران اور اپنے آخری عوامی خطاب خطبہ حجۃ الوداع میں، پیغمبر ﷺ نے بدکرداری کے جرم کی سزا دینے کی تلقین کی: "اے مرد، تمہاری عورتوں سے متعلق اور تمہاری عورتوں کا تمہارے لئے ایک حق ہے۔ یہ آپ کا حق ہے کہ وہ کسی سے بھی بدتمیزی نہ کریں جو آپ کو پسند نہیں ہے اور ساتھ ہی وہ کبھی بھی زنا کار تکاب نہیں کرتیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو پھر خدا نے آپ کو ان کو ان کے گھروں میں الگ تھلگ کرنے اور ظلم کے بغیر سزا دینے کی اجازت دی ہے۔ زنا کاری اور زنا کاری کے جرم میں کوڑے مارنے کی قرآنی سزا شادی سے باہر متفقہ جنسی تعلقات پر لاگو ہوتی ہے، جبکہ سخت سزا جرم عصمت درمی یا عصمت درمی کے گناہوں کے لئے مختص ہے۔

کسی کی بیوی پر زنا کا الزام لگانا

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار کہے کہ اُس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اُس بندی پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو۔ تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کا رحم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا التفات فرمانے والا اور حکیم ہے، تو بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں بڑی پیچیدگی میں ڈال دیتا (10:6-24)

شوہر کے الزام کو صحیح سمجھا جائے گا اگر بیوی اس کے برعکس قسم اٹھانے سے انکار کرتی ہے اور اگر وہ صداقت کے ساتھ اس کے خلاف اپنا جواب بیان کرتی ہے تو اسے غلط قرار دیا جاتا ہے۔ مذمت کا یہ حلف جرم کے سوال کو قانونی طور پر غیر یقینی طور پر چھوڑ دیتا ہے۔ فریقین تمام قانونی نتائج سے باز رہیں گے ورنہ زنا پر شریک ہونا، واحد نتیجہ لازمی طلاق ہے۔ مذکورہ بالا آخری جملہ جان بوجھ کر ادھورا رہ گیا ہے، جس سے انسان یہ تصور کر کے رہ جاتا ہے کہ اگر خدا نے ممکنہ طور پر جھوٹے الزامات کے خلاف تمام قانونی اور اخلاقی حفاظت کا بندوبست نہ کیا ہوتا یا اگر اس نے محض اس پر انحصار کرنے کا ثبوت دیا ہوتا۔

عصمت دری

قرآن مجید عصمت دری کے معاملے پر توجہ نہیں دیتا۔ زنا اور زنا کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کا تقاضا صرف شادی سے باہر متفقہ جنسی تعلقات کے معاملات میں ہوتا ہے نہ کہ عصمت دری کے معاملات میں۔ صرف ایک احمق ہی عصمت دری کو متفقہ جنسی تعلقات کے مترادف سمجھتا ہے۔ اگر اتفاق رائے سے جنسی تعلقات کے بارے میں چار گواہان درکار ہوں تو زیادتی کرنے والے کو انصاف کے کٹہرے میں لانا ناممکن ہو گا۔ عصمت دری کے معاملے میں، ان مقدمات کی سماعت کے لئے تمام جدید جسمانی اور طبی ثبوت استعمال کیے جانے چاہئیں۔ اگر عصمت دری معقول شک سے بالاتر ثابت ہو جاتی ہے، تو زیادتی کرنے والے کو سخت سزا ملنی چاہئے، کیونکہ زیادتی کرنے والے اور بچوں سے بدکاری کرنے والے شاذ و نادر ہی اپنے طریقے بدلتے ہیں اور معاشرے کو مستقل خطرہ بناتے ہیں۔

ہم جنس پرستی

یہ وہی جرم ہے جو قوم لوط کرتی تھی۔ یہ دنیا کی سرکش، متمرّد اور بد اخلاق قوم تھی، ان سب برائیوں کے ساتھ ساتھ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد بھی تھی، وہ یہ کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے کے لیے عورتوں کے بجائے لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے، دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اب تک کوئی رواج نہ تھا، یہی وہ بد بخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کو شروع کیا تھا، اور اس سے بھی زیادہ بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بد کرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کھلم کھلا فخر کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے۔ اس قوم پر عذاب کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، لہذا یہ فعل مکمل طور پر قابل مذمت ہے اور اس کی سزا حدیث کے مطابق فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرنا ہے۔

متعدد نظریات کسی شخص کے جنسی رجحان کی ابتداء کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ شاید ماحولیاتی، علمی اور حیاتیاتی عوامل کی پیچیدہ بات چیت کا نتیجہ ہے۔ جینیاتی یا پیدائشی ہارمونل عوامل کسی شخص کی جنسیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہم جنس پرستی کے بارے میں تنازعہ فطری ہے، یا کوئی منتخب جاری شدہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہم جنس پرستی کو گناہ قرار دیا۔ اخلاقیات کے قرآنی نظریے کے مطابق، جنسی تعلقات کا حق نہیں ہے بلکہ یہ ایک اعزاز ہے کہ فرد اور اولاد کی خاطر شادی کی حدود میں ہی افراد کو حاصل ہو جاتا ہے۔ نکاح سے باہر ہم جنس پرست جنسی تعلق ایک گناہ کبیرہ ہے، جبکہ نکاح کے اندر جنسی تعلقات ایک نیک عمل ہے کیونکہ یہ انسانیت کے پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اسلام میں شادی مرد اور عورت کے مابین سختی سے ہوتی ہے۔ ہم جنس پرست رویے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے کیونکہ اگر کسی برادری کے بیشتر افراد میں ہم جنس پرست ہوں گے، جیسا کہ سدوم اور گومورہ کے معاملے میں، نسل کا کوئی امکان نہیں بچے گا، تو اس معاشرے کا کوئی مستقبل نہیں ہو گا اور بالآخر معدوم ہو جائے گا۔

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر سدوم پہنچے، اور لوط علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوئے، اور یہاں یہ فرشتے خوب صورت اور نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے، لوط علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو بہت پریشان ہوئے کہ اب نہ جانے قوم ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی، ابھی وہ اسی پریشانی میں تھے کہ قوم کو خبر ہو گئی اور وہ لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ گئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دو، لوط (علیہ السلام) نے انہیں بہت سمجھایا، لیکن وہ نہ مانے، تو انہوں نے سخت پریشانی میں کہا: "کاش میں کسی مضبوط سہارے کی حمایت حاصل کر سکتا!"

فرشتوں نے ان کو پریشان دیکھ کر کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں، ہم انسان نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، اور ان کے عذاب کے لیے نازل ہوئے ہیں، آپ راتوں رات اپنے خاندان سمیت یہاں سے نکل جائیں، تو فرشتوں کے پیغام کے بعد لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت بستی سے نکل کر سدوم سے رخصت ہو گئے اور ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کر دیا اور یہیں رہ گئی، جب رات کا آخری پہر ہوا تو عذاب شروع ہو گیا، سب سے پہلے ایک سخت ہیبت ناک چیلنج نے ان کو تہہ وبالا کر دیا، پھر ان کی آبادی کو اوپر اٹھا کر زمین کی طرف الٹ دیا گیا، اور پھر اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان مٹا دیا، اور گزشتہ قوموں کی طرح یہ بھی اپنی سرکشی کی وجہ سے انجام کو پہنچے۔

(باب 12 سے پہلے اور اس وقت دیکھیں جب عمر بن الخطاب نے گھر کے تقدس کو پامال کیا تھا)

شادی سے کے علاوہ جنسی تعلقات

آزادی کے مغربی اور اسلامی تصورات

آزادی کے مغربی اور اسلامی تصورات کے مابین اہم فرق جنسی اور منشیات سے متعلق ہے۔ مغربی ممالک میں جنسی آزادی، ایک فرد کی آزادی کا ایک حصہ ہے اس خیال پر مبنی ہے کہ حکومت کو اس بات کا باقاعدہ حق نہیں ہے کہ ان کے گھر کی رازداری میں دور ضامنہ بالغوں کے مابین کیا ہوتا ہے، کو پامال کرے۔ آزادی، تعریف کے مطابق، کسی فرد کا یہ حق ہے کہ وہ بغیر کسی روک تھام کے کام کرے جب تک کہ یہ عمل دوسروں کے حقوق میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔ دو بالغوں کے مابین رضامندی سے جنسی تعلقات حمل کی شکل میں یا جنسی طور پر منتقل ہونے والی بیماریوں سے ہوسکتے ہیں۔ بد قسمتی سے، ایک ماؤں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو کبھی کبھی مایوس کن مستقبل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب مستقبل کی اولاد پر برا اثر پڑتا ہے تو، جنسی آزادی جھوٹی آزادی بن جاتی ہے۔ مغربی معاشروں کو بہت ساری معاشرتی بیماریوں کا سامنا ہے، جیسے اسقاط حمل، شادی سے پیدا ہونے والے بچے، ان کے باپوں کا ترک کرنا، ان کے کنبے کا ٹوٹنا، اور جنسی بیماریوں سمیت دیگر مسائل۔ لہذا اسی لئے اسلام نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا واضح حکم دیا ہے۔

بالغوں کی لذتیں اور خوشی کا حصول کچھ گھرانوں میں بچوں کے حقوق کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کوئی بھی معاشرہ جو خواتین اور بچوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے بالآخر اس کا خاتمہ ہو گا۔ آزادی کے عمل کے مغربی تجربے کی روشنی میں، ترقی پذیر اسلامی معاشروں کے پاس سب سے اہم سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ سیکولر معاشروں کی لپیٹ میں آنے والی معاشرتی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشی ترقی کو کیسے گلے لگائے۔

تاریخی جائزہ

اسلام سے پہلے کے عرب میں، شادی سے باہر جنسی تعلقات ایک معمول تھا، جس طرح آج کل بہت سارے معاشروں میں ہے۔ اسلام شاید وہ واحد بڑا مذہب ہے جس نے شادی سے باہر جنسی تعلقات کو قابل سزا جرم قرار دیا ہے۔ جنسی سرگرمیوں پر اس طرح کی پابندی کا مقصد بچوں کے حقوق کا تحفظ اور خواتین کے ساتھ بد سلوکی اور بد تمیزی سے بچنا ہے۔

جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے، جنسی آزادی انفرادی آزادی کا ایک حصہ ہے جو اس خیال پر مبنی ہے کہ حکومت کو اس بات کا باقاعدہ حق نہیں ہے کہ دور ضامنہ بالغوں کے مابین کیا ہوتا ہے۔ غیر محدود جنسی آزادی کے حامی اپنے انوکھے جنسی تعلقات کو فروغ دینے اور اس کا اظہار کرنا تمام افراد

کا حق سمجھتے ہیں۔ زنا کرنا ایک معمول ہے، اور زنا کو ایک برخاستگی کے طور پر برداشت کیا جاتا ہے اور اب اسے ایک بد نما داغ نہیں سمجھا جاتا۔ کچھ لوگ حامی زندگی کے نعرے کے پیچھے چھپ جاتے ہیں اور اسقاط حمل کو "قتل" قرار دینے جیسے خوفناک حربے استعمال کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ ایک ہی وقت میں اسقاط حمل کے مرتکب خواتین کے لئے کسی بھی سزا کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ منطقی اور اخلاقی طور پر متضاد حیثیت ہے۔ میڈیا اور زندگی کے حامی ہجوم شاذ و نادر ہی اس مسئلے کی اصل وجہ کا مقابلہ کرتے ہیں، جو شادی سے باہر کا جنسی تعلق ہے۔

غیر محفوظ جنسی تعلقات ناپسندیدہ حمل کا باعث بن سکتے ہیں، جس کے نتیجے میں شادی سے باہر کی پیدائشیں، اسقاط حمل یا جنسی طور پر منتقل ہونے والے انفیکشن (ایس ٹی آئی) ہو جاتے ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ میں شادی سے پہلے کی پیدائشیں

- امریکہ میں ہر سال ساٹھ لاکھ خواتین حاملہ ہوتی ہیں۔ ان حملات میں سے 63 فیصد زندہ پیدائش، 22 فیصد اسقاط حمل اور باقی ماندہ اسقاط حمل کے نتیجے میں ہوتے ہیں۔
- تمام حملات کا تقریباً 15 فیصد اسقاط حمل سے ہوتا ہے۔ جینیاتی خرابی کی وجہ سے اکثر جنین قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ اسقاط حمل فطرت کا ایک بڑا طریقہ ہے جس میں بچوں کی پیدائش کو محدود کرنا ہے۔
- امریکہ میں ہر سال تقریباً 30 لاکھ غیر ارادتا حمل ہوتے ہیں۔ 47 فیصد اسقاط حمل کے ذریعے ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ اسقاط حمل کرنے والی 80 فیصد خواتین غیر شادی شدہ ہیں۔ ہر سال ایک ملین سے زیادہ اسقاط حمل کے باوجود، ریاستہائے متحدہ میں تمام بچوں میں سے 40 فیصد شادی سے پیدا ہوتے ہیں، جبکہ 1960 میں صرف 5 فیصد تھا۔ شادی کے بعد بچوں کی پیدائش آہستہ آہستہ ایک استثناء کی بجائے معمول بنتی جا رہی ہے۔
- افریقی امریکیوں میں، 70 فیصد بچے اکیلی خواتین میں پیدا ہوئے ہیں۔ 1965 میں یہ تعداد 26 فیصد تھی۔
- لاطینیوں کے تقریباً 40 فیصد بچے غیر شادی شدہ خواتین میں پیدا ہوتے ہیں۔
- چار میں سے ایک بچہ اکیلی سفید فام خواتین کا پیدا ہوتا ہے۔ 1960 میں، یہ 2 فیصد تھا۔
- ایک اندازے کے مطابق ہر سال عصمت دری اور عصمت دری کے نتیجے میں دس ہزار سے پندرہ ہزار اسقاط حمل کیے جاتے ہیں۔
- اب امریکہ کے تقریباً ایک تہائی بچے واحد والدین کے گھروں میں رہتے ہیں۔

دیگر مغربی معاشروں میں شادی سے پہلے کی پیدائشیں

1960 سے 2000 کے درمیان، کینیڈا میں شادی سے پہلے کی پیدائش 4 فیصد سے 31 فیصد، برطانیہ میں 5 فیصد سے 38 فیصد اور فرانس میں 6 فیصد سے 36 فیصد تک بڑھ گئی۔

شادی سے پیدا ہونے والے بچوں کا رجحان صرف اخلاقی مسئلہ ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے متعدد تنہا ماؤں اور ان کے بچوں پر بھی سماجی و اقتصادی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ اکثر پسماندہ بچے دو والدین، مستحکم گھرانوں میں پیدا ہونے والے بچوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرے کی پستیاں ان پہ ہوتی ہیں۔

بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ دو والدین اور ایک مستحکم اور پیار کرنے والا کنبہ رکھنا ہر بچے کا حق ہے۔ جب بچے شادی سے پہلے پیدا ہوتے ہیں تو، بہت سارے حیاتیاتی باپ اپنی ذمہ داری سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ یہ غیر ذمہ دار سپرم ڈونرز اپنے عمل کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور وہ کچھ ایسے نوجوانوں کی طرح پیش آتے ہیں جو ایک عورت سے دوسری عورت پر منتقل ہوتے ہیں۔ حیاتیات سے رابطہ کٹ جاتا ہے اور بچے حقیقت میں یتیم ہو جاتے ہیں۔ اکیلی ماؤں، نانا، نانی، اور ماں کے دوسرے رشتہ دار بچے کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ کم از کم ایسی تنہا مائیں جو اپنے بچوں کی محبت سے دیکھ بھال کرتی ہیں وہ اپنے بچوں کو ترک نہ کرتے ہوئے اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرتی ہیں جیسا کہ بہت سارے باپ کرتے ہیں۔

غیر حاضر باپ، کھوئے ہوئے بیٹے اور بیٹیاں

ناجائزی کے بڑھتے ہوئے تناسب اور جیل کی آبادی میں اضافے کے مابین مضبوط تعلق ہے۔ ناکافی والدین جراثیم میں نوعمر ملوث ہونے کا ایک سبب سے مضبوط سبب ہیں۔ تنہا ماں گھروں میں بڑھے ہوئے بچوں کی جیل میں نوجوانوں کی قید کی شرح نمایاں طور پر زیادہ ہے۔ ٹوٹے ہوئے گھرانوں کے بچوں کو زیادتی، بدسلوکی اور جذباتی پریشانیوں، کم تعلیمی کامیابی اور منشیات کے استعمال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ محفوظ گھرانوں کے بچوں کے مقابلے میں غیر فعال گھروں سے بچوں میں چوری، شرابی اور تشدد جیسے مسائل کے رویوں میں اضافے کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔

مصائب کا حلقہ

بالغ لڑکیاں جو باپ کے بغیر بڑھتی ہیں وہ پہلے جنسی طور پر متحرک ہو جاتی ہیں اور زیادہ جنسی شراکت دار ہوتی ہیں۔ نان کنٹریکٹ فیملیز کے بچے شادی سے باہر بچوں کے امکان سے تین گنا زیادہ ہوتے ہیں، اور اس طرح بد حالی کا دائرہ اگلی نسل تک وسیع ہو جاتا ہے۔ بچوں کی اموات کی سب سے بڑی وجہ بچوں سے زیادتی ہے۔ خطرے کے عوامل میں غربت کے علاوہ گھر میں باپ کے علاوہ کسی بالغ مرد کی موجودگی شامل ہے۔ یہ ماں کا بوائے فرینڈ یا کوئی رشتہ دار ہو سکتا ہے جو بدسلوکی کا ذمہ دار ہے۔ کسی بھی اسپتال کے ایمر جنسی ڈیپارٹمنٹ میں، جسمانی اور جنسی استحصال کا نشانہ بننے والے بچے عام نظر آتے ہیں۔

غربت سے متاثرہ

مذکورہ اعداد و شمار سے یہ بات واضح ہے کہ جب مغربی معاشرے کم دولت مند تھے، تو ناجائز ہونے کی شرح بہت کم تھی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تنہا ماؤں کے ہاں پیدائش کے بڑھتے ہوئے رجحان سے غربت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بچوں اور

خواتین میں غربت کی بنیادی وجہ شادی کے عمل کی فرسودگی اور واحد ماں، خاندانوں میں اضافہ ہی ہے۔ غیر شادی شدہ خاندانوں میں پرورش پانے والے بچوں کے مقابلے میں، غیر شادی شدہ ماؤں کی پرورش پانے والے بچوں کے غریب ہونے کا امکان سات گنا زیادہ ہوتا ہے۔

حکومت کا کردار

حکومت ایک فراہم کنندہ کے طور پر والد کا کردار ادا کرتی ہے اور غربت میں زندگی گزارنے والے بچوں کی پرورش کے لئے بہت سارے اخراجات کا خیال رکھتی ہے۔ امریکی حکومت نے ان بد قسمت بچوں اور اکیلی ماؤں کو مفت کھانا، طبی دیکھ بھال اور دیگر خدمات کی فراہمی کے لئے سالانہ اربوں ڈالر کی لاگت سے بہت سارے پروگرام قائم کیے ہیں۔ لیکن ان بچوں کو ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند بڑھوتری کی، کھانے، پناہ گاہ اور لباس سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے۔ غیر شادی شدہ ماؤں کو امداد فراہم کرنے سے، حکومت غیر ذمہ دارانہ سلوک کو بالواسطہ طور پر فائدہ دے رہی ہے۔ کچھ نوجوان خواتین مختلف باپوں سے اولاد لیتی رہتی ہیں۔ لیکن اگر حکومت اپنی مدد سے دستبرداری کرتی ہے تو غریب بچوں کو تکلیف ہوگی۔ اس شخص کا کوئی آسان حل نہیں ہے۔ غالب سیکولر اور مذہبی ادارے کوئی حل فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ عام طور پر، لبرلز تمام بیماریوں کے لئے غربت کا الزام لگاتے ہیں، جن کی حقائق کی حمایت نہیں کی جاسکتی ہے، اور اسقاط حمل کا حق عورت کے حق کے خلاف قدامت پسندوں کی ریل ہے۔ اگر اسقاط حمل کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے تو اس کے نتیجے میں اس سے بھی زیادہ غیر قانونی بچے کی اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ اس طرح کے بچوں کو مفت جنسی سرگرمی کے نتیجے میں ہونے والے منفی نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جھوٹی آزادی اور خواتین کی توہین

انسان کے بنائے گئے معاشرے، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پاس یہودی بستیوں میں رہنے والے بچوں کے ساتھ زیادہ تر غیر شادی شدہ خواتین کی مستقل ایک جماعت ہے۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کے ساتھ برتاؤ والا سلوک ترک اور زیادتی کی بنیادی وجہ ہے۔ خواتین کو خوشی کے لئے جنسی اشیاء کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن زندگی میں مساوی شراکت دار ہونے کا وقار نہیں دیا گیا۔ یہ دو لوگوں کی طرف سے اخلاقی جرم ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ اولاد پیدا کرنے کے لئے پائیدار، قانونی عہد نہیں کر سکتے اور اس طرح اسے اس کے حقوق سے محروم کر دیتے ہیں۔ تاہم، سب سے بڑا جرم معاشرے کی اپنے بچوں کے خزانے اور حفاظت میں ناکامی ہے۔

آزادی افراد کا حق ہے جب تک کہ وہ ان کے کاموں سے دوسروں کے حقوق میں مداخلت نہ کریں تب تک بغیر کسی روک تھام کے کام کریں۔ بچوں کے حقوق کی قیمت پر بالغوں کے جنسی لذتوں کا تجربہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ایسی آزادی ایک جھوٹی آزادی ہے۔

کیا اسلام میں ایک ناقابل حل جنین کے اسقاط حمل کو قتل سمجھا جاتا ہے؟ جی ہاں، لیکن یہ ایک ایسا گناہ ہے جس سے فدیہ کی ضرورت ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ دو خواتین آپس میں لڑ رہی تھیں اور ان میں سے ایک نے دوسری پر پتھر پھینک دیا جس کی وجہ سے اس کا اسقاط حمل ہوا۔ نبی ﷺ نے فیصلہ دیا کہ جنین کے قاتل کو ایک غلام آزاد کرنا چاہئے۔

طویل مدتی نتائج

ایک یورپی عورت کی شرح اوسطاً 1.4 بچوں تک کم ہو گئی ہے، موجودہ آبادی کو تبدیل کرنے کے لئے صرف 2.1 کی ضرورت ہے۔ آج بہت سے یورپی ممالک میں، پیدائشوں سے زیادہ دفن ہیں۔ روس میں ہر تین میں سے دو حمل پیدائش سے پہلے ہی ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ روسی خواتین اوسطاً 2.5 سے 14 اسقاط حمل کرتی ہیں، اور روس کی شرح اموات شرح پیدائش سے 70 فیصد زیادہ ہے۔ اس صدی کے آخر تک انگریز عوام اپنے ہی ملک میں اقلیت بن جائیں گے۔ اب تمام جاپانی خواتین میں سے نصف سے زیادہ خواتین ہی کنواری ہیں اور بہت سوں نے شادی کرنے اور اولاد پیدا کرنے کے نظریے کو ترک کر دیا ہے۔ اٹلی کی پیدائش پچیس سالوں سے متبادل سطح سے نیچے ہے۔ ہسپانوی پیدائش تمام یورپ میں سب سے کم ہے۔

پیٹرک بوچنان کی کتاب ”مغرب کی موت“ کا ایک حوالہ مندرجہ ذیل ہے: ”آج، ایک عمر، مر جانے والی عیسائی مغرب تیسری دنیا اور اسلامی دنیا پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ مانع حمل، اسقاط حمل اور نس بندی کو جس طرح مغرب نے قبول کیا ہے، قبول کریں۔ لیکن جب ہمارے چلے جانے کے بعد وہ زمین کے وارث ہونے کے لئے موجود ہوں تو وہ ہمارے ساتھ خود کشی کا معاہدہ کیوں کریں گے؟“۔

یہ داعش یا القاعدہ نہیں ہے جو مغربی تسلط کو ختم کر دے گا بلکہ ان کا اپنا رویہ ”میں سب سے پہلے“ بچوں کی دلچسپی کی قیمت پر یہ سب مغربی تسلط کو ختم کر دے گا۔

ہم مسلمانوں کو مغرب سے سبق سیکھنا چاہئے اور ایسی اخلاقی اور معاشرتی آفات کو معاشرے میں داخل ہونے سے روکنا چاہئے۔ یہ مسلم مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خواتین اور بچوں کی فراہمی، حفاظت اور ان کی حفاظت کریں اور ان کے ساتھ وقار اور احترام سے پیش آئیں۔

اجتناب یا ”یک زوجی“

مذکورہ بالا تمام پریشانیوں کو روکنے کے لئے، یک زوجی، یا پیدائش پر قابو پانے کے موثر طریقوں کے استعمال سے روکا جاسکتا ہے۔ جو لوگ جنسی سلوک پر سمجھدار پابندیوں پر یقین رکھتے ہیں انہیں دوسرے القابات کے علاوہ جنسی طور پر جابرانہ اور وحشی کہا جاتا ہے۔ یکجہتی کا طرز عمل آپ کے بھلائی کے لئے ہے، اور اگر آپ کسی جابرانہ طرز زندگی پر عمل پیرا ہیں تو وہ آپ کے نقصان کے لئے ہے۔

جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے اچھا کرے گا، جو بدی کرے گا اُس کا وبال اُسی پر ہوگا، اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔ (41:46)

جنسی بیماریاں

جنسی سرگرمی کا ابتدائی آغاز اور متعدد جنسی شراکت داروں کے انداز نے جنسی بیماریوں کی اعلیٰ شرح کا آغاز کیا۔ تمام نوجوان امریکیوں میں سے نصف پچیس سال کی عمر تک جنسی بیماریوں سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ جنسی بیماریوں (ایس ٹی ڈی، ایڈز کے استثناء کے ساتھ، مردوں میں خواتین کے مقابلے

میں زیادہ شدید پیچیدگیاں پیدا کرتی ہیں۔ بڑھتی ہوئی جنین کے لئے ایس ٹی ڈی کے اثرات تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ ایس ٹی ڈی کی طویل مدتی پیچیدگیوں میں کینسر، ایکٹوپک حمل، حمل سے متعلق دیگر امور، اور نوزائیدہ یا نوزائیدہ بچوں میں سنگین یا مہلک انفیکشن کی ترسیل شامل ہیں۔

کچھ ایس ٹی ڈی لاعلاج ہیں، اور کچھ مہلک ہیں۔ ایک معاملہ یہ ہے کہ ایڈز (ایکوائزڈ امیونوڈیفیسی سڈروم) ہے، جو ایک انسانی امیونو وائرس (ایچ آئی وی) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایڈز نے برصغیر افریقہ کو تباہ کر دیا ہے، جہاں بہت سارے بالغ افراد ایڈز سے مر گئے ہیں، ان کے بچے اپنے آپ کو بچانے کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

ماؤں کا منشیات کا استعمال

یہ صرف ہمیشہ باپ نہیں ہوتے جو اپنے بچوں کی تکلیف کا ذمہ دار ہیں۔ کچھ خواتین حمل کے دوران شراب اور منشیات کا استعمال کرتی ہیں، جو بچوں کے جنین کو ناقابل تلافی دماغی نقصان پہنچاتا ہے، بغیر کسی قانونی نتائج کے بچوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

جنس کا الگ ہونا

نبی ﷺ نے فرمایا، "وہ عورت جو کسی بچے کو اپنے خاندان میں لائے جو اس کا نہیں ہے، اس کا خدا سے کوئی رشتہ نہیں ہے اور خدا اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔" اسی طرح، "جو شخص اپنے بچے کی ولدیت سے انکار کرتا ہے وہ قیامت کے دن کبھی بھی خدا کو نہیں دیکھ سکے گا اور خدا اسے تمام انسانوں کے سامنے ذلیل کر دے گا۔"

زیادہ تر مسلمان مغرب میں کنبے کے ٹوٹنے کے پریشان کن رجحانات کو مغرب کے "زوال پذیر" طریقوں پر عمل نہ کرنے کی تنبیہ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ بد قسمتی سے، اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان تمام مثبت اقدار کو مسترد کر دیں جنہوں نے مغرب کو مثالی بنا دیا ہے۔ جنسی تعلقات کو الگ کرنے کی دلیل ایک مسلمان کے ذہن میں مندرجہ ذیل ہے، اگرچہ یہ بات شاذ و نادر ہی بیان کی جاتی ہے کیونکہ سیکس اب بھی ایک بڑی ممنوع چیز ہے: چونکہ شادی سے پہلے اور غیر شادی سے متعلق جنسی تعلقات اسقاط حمل اور شادی سے باہر کی پیدائشوں کا سبب ہیں، روک تھام کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم جنسوں کے اختلاط سے گریز کریں۔ جب خواتین گھر سے باہر جاتی ہیں تو انہیں سر سے پیر تک ڈھانپنا چاہئے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت نبی ﷺ کے زمانے میں رائج احکامات و قوانین سے دور ہو چکی ہے۔

نشہ آور چیزیں، جو اکیلنا اور مستقبل کی پیش گوئی کرنا

- آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے، اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دو جو زائد ہو، ایسے ہی اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو (2:219)۔
- اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے نشہ اور اچھی غذا بھی بناتے ہو، اس میں لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سمجھتے ہیں۔ (16:67)۔
- اے ایمان والو! شراب اور جو اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سوان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے، سو اب بھی باز آ جاؤ۔ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور بچتے رہو، پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔ (5:90-92)

شراب کے فائدے اور نقصانات

نشہ آور چیز ایسی چیز ہے جو عقل کو دھندلا دیتی ہے۔ ان آیات میں رکھی گئی نشہ آور اشیاء کی ممانعت میں نہ صرف شراب پینا بلکہ منشیات بھی شامل ہیں، جس کا ایسا ہی اثر ہوتا ہے۔ شراب یا عام طور پر، نشہ آور اشیاء کا توازن صحت بخش روزی کے ساتھ کیا جاتا ہے، جو شراب کے مثبت اور منفی خصوصیات اور اثرات دونوں کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ سورت قرآن مجید کے نشہ آور اشیاء کی پابندی 91-90: 5 کے دس سال پہلے ہی نازل ہوئی تھی، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مذکورہ بالا پہلی آیت میں ان کی اخلاقی مذمت پہلے ہی درج ہے۔

نشہ آور اشیاء کی اس ممانعت کی واحد استثناء شدید ضرورت کے معاملات میں پیدا ہوتی ہے، جہاں بیماری یا جسمانی حادثہ نشہ آور ادویات یا الکحل کو ناگزیر اور ضروری بنا دیتا ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے ضمیمہ 1 دیکھیں۔

مستقبل کی پیش گوئی

تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو گلابا کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سنگ مارنے سے مر گیا ہو اور وہ جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو، اور وہ جو کسی تھان (پرستش گاہوں) پر ذبح کیا جائے اور وہ (جن کے حصے) جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو، یہ (سب کچھ) گناہ ہے، آج تمہارے دین سے کافرنا امید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے، پھر جو کوئی بھوک سے بے تاب ہو جائے لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ (5:3)

اسلام سے پہلے کے عربوں نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے لئے مستقبل کیا ہو سکتا ہے اس کے لئے بغیر کسی نقطہ اور بد عنوانی کے فرق کرنے والے تیروں کا استعمال کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایسے تاریخی اشارے کی طرح معمول کے مطابق، اس کو استعاری طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل کو بتانے یا پیش گوئی کرنے کی ہر طرح کی کوششوں کی ممانعت ہے۔

بت پرستی کے عمل یہاں استعاراتی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور اس کا مقصد بت پرست عبادت کے تمام طریقوں، جیسے سنت کے خلاف پوجا، جادو کی خصوصیات کو کچھ بے جان چیزوں سے منسوب کرنا، ہر طرح کے توہم پرست ممنوعات کی پابندی کرنا ہے۔

غذائی قوانین

حلال غذائیں

- اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ (2:172)۔
- اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو، تمہارے لیے چوپائے موسیٰ حلال ہیں سوائے ان کے جو تمہیں آگے سنائے جائیں گے مگر شکار کو احرام کی حالت میں حلال نہ جانو، اللہ جو چاہے حکم دیتا ہے۔ (5:1)۔
- پھر تمہیں جو اللہ نے حلال طیب روزی دی ہے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر کرو اگر تم صرف اسی کو پوجتے ہو۔ (16:114)۔

رزق یا رزق کی اصطلاح انسان کے لئے اچھا اور مفید ہو سکتی ہے، چاہے وہ جسمانی فطرت (رزق کا ذریعہ) ہو یا دماغ کے دائرے سے تعلق رکھتی ہو (جیسے علت و معرفت) یا روح (جیسے عقیدے، احسان، اور صبر)۔ خدا نے انسان کو اعلیٰ مقام سے نوازا ہے اور یہ چاہا ہے کہ انسان ان تمام چیزوں کو استعمال کرے جو رزق کے قابل ہو، اور یہ خود بخود اس کے تمام مظہروں کو حلال کر دے۔

وہ کھانا جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو

سو تم اس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم اس کے حکموں پر ایمان لانے والے ہو۔ کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ اس نے تم پر حرام کیا ہے ہاں مگر وہ چیز جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ، اور بہت سے لوگ بہکاتے ہیں اپنے خیالات کی بناء پر بے علمی میں، بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (6:118-119)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا، اے خدا کے رسول! یہ لوگ ہیں جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے اور وہ گوشت لاتے ہیں، اور ہم نہیں جانتے کہ جانوروں کو ذبح کرتے وقت انہوں نے خدا کے نام کا لیا ہے یا نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، تم خدا کے نام لو اور کھاؤ۔

شکار کرنا

تمہ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیز حلال ہے، کہہ دو تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور جو شکاری جانور جسے شکار پر دوڑنے کی تعلیم دو کہ انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے، سو اس میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (5:4)۔

کوئی بھی جانور جو پالنے والے مویشیوں سے مشابہت رکھتا ہو جس میں وہ پودوں پر پلتا ہے اور شکاری جانور نہیں ہے وہ حلال ہے۔ خدا نے اس منصوبے کے مطابق اس کا اہتمام کیا ہے جس کا اس اکیلے کو ہی پورا پورا علم ہے۔ خدا کے نام لینے کے بعد چھوڑے جانے والے جانوروں کا شکار بھی حلال ہو گا جیسے کہ شکاری کتا، عقاب یا چیتا جنہیں خدا کا نام لے کر شکار پر چھوڑا گیا تھا۔

بائبل کے پیروکاروں کا کھانا

آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے، (5:5)۔

دوسرے انکشاف شدہ مذاہب کے ماننے والوں کے کھانے پینے کی اس اجازت میں گوشت کی ممنوعہ اقسام کو آیت 3: 5 میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ موسیٰؑ کی شریعت انہیں واضح طور پر منع کرتی ہے، اور انجیلوں میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان ممنعتوں کو منسوخ کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں بتایا گیا ہے، یہ نہ سوچو کہ میں [موسیٰؑ] کی شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں: میں تباہ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں (متی 17: 5)۔ عیسیٰؑ کے بعد کے پولین پیروکاروں نے طول البلد کو کھانے کے حوالے سے، جیسے سور کا گوشت کھانے سے لطف اندوز ہوئے، اس سے مطابقت نہیں رکھتا جو یسوع کے عمل اور حکم تھا۔ اگرچہ مسلمان کو شر (یہودیوں کی گوشت کی کیٹیگری) کا گوشت کھا سکتے ہیں، لیکن قدامت پسند یہودی مسلمانوں کے حلال گوشت کو کو شر نہیں مانتے گے کیوں کہ جہاں تک گوشت کی تیاری کا تعلق ہے، موسوی قوانین اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں۔

تازہ پانی کے شکار اور سمندری غذا کے متعلق حکم

تمہارے لیے دریا کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے، (5:96)۔

مذکورہ احکام میں پانی کے تمام شکار شامل ہیں، چاہے وہ سمندر، ندیوں، جھیلوں یا تالابوں سے ماخوذ ہو جیسے مچھلی اور دیگر سمندری جانور جو ساحل پر لہروں کے ذریعہ پھینک دیئے گئے ہوں۔ پانی کے ہر طرح کے شکار مومن کے لئے حلال ہیں۔

دودھ پلانا

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، (2:233)۔

یہ امر دلچسپ ہے کہ عالمی ادارہ صحت اور قرآن دو سال تک دودھ پلانے کی تجویز کرتے ہیں۔ دودھ پلانے کے بے شمار فوائد ہیں، بچے اور ماں دونوں کے لئے۔ چھاتی کا دودھ بچوں کے لئے بہترین ہے۔ یہ بچپن کی بہت ساری بیماریوں سے تحفظ فراہم کرتا ہے اور بچوں کے وقفوں میں مدد کرتا ہے۔ ان خواتین میں چھاتی اور رحم کے کینسر کا خطرہ کم ہوتا ہے جنہوں نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا ہے۔

غیر قانونی کھانے

کہہ دو کہ میں اس وحی میں جو مجھے پہنچی ہے کسی چیز کو کھانے والے پر حرام نہیں پاتا جو اسے کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہو خون یا سور کا گوشت کہ وہ ناپاک ہے یا وہ ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، پھر جو بھوک سے بے اختیار ہو جائے ایسی حالت میں کہ نہ بغاوت کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے (6:145)۔

سوائے اس کے نہیں کہ تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت، اور اس چیز کو کہ اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو، حرام کیا ہے، پس جو لاچار ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے (2:173)۔

جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس کا تعلق زندگی میں اچھی چیزوں کے زمرے سے نہیں ہے۔ ان تمام چیزوں کی اجازت ہے جن کی واضح طور پر ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ قرآن صرف ان چیزوں یا کاموں سے منع کرتا ہے جو جسمانی، اخلاقی یا معاشرتی طور پر انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔ انتہائی بھوک کی حالت میں یا دوسرے حالات میں، حرام خور قسم کے کھانے کی اجازت ہے جس میں انسان کے قابو سے بالاتر، غیر ضروری قوتیں اسے کچھ کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں، جو عام طور پر اسلامی قانون کے ذریعہ ممنوع ہے۔ مثال کے طور پر، جب بھی بیماری ان کے استعمال کو لازمی اور ناگزیر بنا دیتی ہے تو نشہ آور ادویات کا استعمال کرنا جائز ہے۔

وہ جانور جو بے دین مذبح خانوں پر ذبح ہوئے

تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو گلابا کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سنگ مارنے سے مر گیا ہو اور وہ جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو، اور وہ جو کسی تھان (پرستش گاہوں) پر ذبح کیا جائے اور وہ (جن کے حصے) جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو، یہ (سب کچھ) گناہ ہے، آج تمہارے دین سے کافرنا امید ہو گئے سو

ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے، پھر جو کوئی بھوک سے بے تاب ہو جائے لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے (5:3)۔

پھر جو بھوک سے بے اختیار ہو جائے ایسی حالت میں کہ نہ بغاوت کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے (6:145)۔

حرام کھانے کی چیزیں ہیں جو کسی بت یا سنت یا الوہی سمجھے جانے والے شخص کو قربانی کے طور پر پیش کی گئی ہیں یا پیش کی گئیں ہیں۔ مثال کے طور پر، کافر قریش کے ذریعہ کعبہ کے چاروں طرف لگائے گئے مذبح کے پتھروں پر جانوروں کا گوشت حرام تھا۔ صرف قربانی کے جانور ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی جو عام استعمال کے لئے مقصود تھے، اکثر ایک قیاس نعمت کی خاطر وہاں ذبح کیے جاتے تھے۔ (سور کا گوشت سے بچنے کے لئے طبی وجوہات کے لئے ضمیمہ 2 دیکھیں)۔

خاندانی قوانین

خواتین کے لئے برابری کے حقوق

اسلام سے پہلے کے مردوں کا خواتین کے لئے رویہ

اور اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں وہ اس سے پاک ہے، اور اپنے لیے جو دل چاہتا ہے۔ اور جب ان میں سے کسی کی بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہوتا ہے۔ اس خوشخبری کی برائی کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، آیا اسے ذلت قبول کر کے رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے، دیکھو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں (59-16:57)۔

یہ حوالہ خواتین کے بارے میں مردوں کے منفی رویے کی مذمت ہے، جس کے نتیجے میں خواتین بچوں کی ہلاکت ہوتی ہے۔ اسلام سے پہلے کے عربوں کا ماننا تھا کہ دیویوں کی لات، الزوز اور منات کے ساتھ ساتھ فرشتے جن کو وہ عورتوں کی حیثیت سے تصور کرتے ہیں، خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن پاک میں یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بیٹیاں خدا کے ساتھ مانیں، جبکہ وہ صرف اپنے لئے بیٹے چاہتے ہیں کیونکہ وہ بیٹیوں کو ضروری برائی کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ پوری عبارت کا ایک اہم نقطہ یہ جملہ ہے کہ وہ اپنے لئے [اگر وہ چاہتے تو صرف وہی انتخاب کریں گے] جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ وہ صرف ان نظریات کو خدا کے ساتھ منسلک کرنے کے لئے تیار ہیں جو اپنے آپ کے لئے ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر خواتین کی اولاد، جسے انہوں نے حقیر سمجھا۔ بچی کی پیدائش کی خبروں کو خوشی سمجھا جانا چاہئے تھا کیونکہ والدین کی محبت میں بچے کے جنسی تعلقات میں کوئی فرق نہیں ڈالنا چاہئے، لیکن باپ اپنے آپ میں یہ طے کرتا ہے کہ بچے کو کسی شے کی حیثیت سے رکھنا ہے یا نہیں۔ ہمیشہ کی توہین یا زندہ دفنایا جاتا۔ جو کہ دونوں ہی بدتر ہیں۔

غربت کے خوف سے خواتین کا قتل

اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے (31:17)۔

اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے۔ کہ کس گناہ پر ماری گئی تھی (9-81:8)۔

تاریخی طور پر، یہ اسلام سے پہلے کے غیر روایتی رواج کا حوالہ ہے کہ ناپسندیدہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار اس کے بعض خدائوں کے لئے لڑکوں کی قربانیوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ تاہم، اس کے علاوہ، مذکورہ ممنوع کا ایک لازوال جواز ہے، کیونکہ اس کا

تعلق خالصتاً معاشی بنیادوں پر غربت کے خوف سے کئے گئے اسقاط حمل سے بھی ہے۔ آج بھی، پوری دنیا میں، خاص طور پر ہندوستان اور چین میں، خواتین کے جنین اسقاط حمل کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

قیامت کے دن، جب تمام انسانوں کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے کے لئے بلایا جائے گا، خدایہ سوال پوچھے گا، وہ کس جرم کی وجہ سے ماری گئی تھی؟ ایسا لگتا ہے کہ خواتین بچوں کو زندہ دفن کرنے کا وحشیانہ رواج اسلام سے پہلے کے عرب ممالک میں کافی حد تک وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا ہے، حالانکہ اس حد تک نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مقاصد دوہرے تھے: یہ خوف کہ عورتوں کی اولاد میں اضافے کے نتیجے میں معاشی بوجھ پڑیں گے اور لڑکیاں ایک دشمن قبیلے کے ہاتھوں پکڑے جانے اور ان کے والدین اور بھائیوں کے بجائے ان کے اغوا کاروں کو ترجیح دینے کی وجہ سے ہونے والی ذلت کا خدشہ ہوتا ہے۔

خواتین کے لئے مذہب کی آزادی

شوہر کی سرپرستی

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ کر لو، اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پس اگر تم انہیں مومن معلوم کر لو تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے لیے حلال ہیں، اور ان کفار کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا، اور تم پر گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر دے دو، اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا کہ وہ مانگ لیں، اللہ کا یہی حکم ہے، جو تمہارے لیے صادر فرمایا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے (60:10)۔

اسلامی قانون کے تحت عورتیں مردوں کی طرح آزاد اخلاقی ایجنٹ ہیں اور انہیں اپنے مذہب کا انتخاب کرنے کا حق اور ذمہ داری حاصل ہے۔ خواتین گھروں سے باہر جاسکتی ہیں اور نقل و حرکت کی آزادی حاصل کر سکتی ہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ اور قریش مکہ کے مابین معاہدہ صلح حدیبیہ 6 ہجری میں ہوا۔ اہل مکہ کی سرپرستی میں جو بھی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس گیا، اسے قریش کو واپس کیا جانا تھا۔ قریش نے شادی شدہ عورتوں کو بھی شامل کرنے کے لئے یہ شرط عائد کی، جسے وہ اپنے شوہروں کی سرپرستی میں سمجھتی ہیں۔

اسی مناسبت سے، جب متعدد مکہ کی خواتین نے اپنے شوہروں کی مرضی کے خلاف اسلام قبول کیا اور مدینہ آ گئیں، تو قریش نے زبردستی مکہ مکرمہ واپسی کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ نے انکار کر دیا کیونکہ شادی شدہ عورتیں ولایت کے تحت افراد کے زمرے میں نہیں آتیں۔

بیعت

اے نبی جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) بنالیں اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ، بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے (60:12)۔

ہمیشہ یہ امکان موجود تھا کہ ان میں سے کچھ عورتیں عقائد کی بناء پر نہیں بلکہ خالص دنیاوی نظریات کی بناء پر مسلمانوں کے پاس چلی جائیں گی۔ اہل ایمان سے گزارش کی گئی کہ وہ اپنے اخلاص کو یقینی بنائیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ان میں سے ہر ایک سے پوچھا: خدا کے سامنے قسم کھاؤ کہ تم اپنے شوہر سے نفرت، یا کسی دوسرے ملک جانے کی خواہش کی بنا پر، یا دنیاوی فوائد کے حصول کی امید سے نہیں آئیں۔ خدا کے سامنے قسم کھاؤ کہ آپ خدا اور اس کے رسول کی محبت کے سوا کسی بھی وجہ سے نہیں رخصت ہوئیں۔ متعلقہ خاتون کی طرف سے ایک مثبت رد عمل کو صرف انسانیت کے حصول کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ اور، لہذا، قانونی طور پر کافی۔ اس کی اخلاص کا ثبوت مہیا ہو گیا۔

صرف خدا ہی جانتا ہے کہ انسان کے دل میں جو چیز ہے وہ اسلام کے ایک اصول میں شامل ہے۔ اس میں یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ کسی بھی بالغ شخص کے اعتقاد کا اعلان، اس کے برعکس ثبوتوں کی عدم موجودگی میں، معاشرے کے لئے لازم ہے کہ وہ اس اعلامیے کی بنیاد پر اس مرد یا عورت کو مسلمان قبول کرے۔ چنانچہ، جہاں تک انسانیت کے لئے ممکن ہے ان کے اعتقاد کا پتہ لگانے کے بعد، نبی ﷺ، یا بعد کے دور میں، اسلامی ریاست یا برادری کے سربراہ، کو ان کے بیعت کے عہد کو قبول کرنے کا اختیار دیا گیا۔

حق مہر غیر مسلم سابقہ شوہر کو واپس کریں

اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا کہ وہ مانگ لیں، اللہ کا یہی حکم ہے، جو تمہارے لیے صادر فرمایا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے (60:10)۔

اگر کوئی بیوی اسلام قبول کرتی ہے جبکہ اس کا شوہر اس کے احاطے سے باہر رہتا ہے تو، شادی از خود منسوخ ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی طلاق بھی انہی شرائط سے مشروط کی جاسکتی ہے جیسے خلع، ایک ناغلط طلاق بیوی کے ذریعہ مسلمان شوہر سے شروع کی گئی تھی۔ (طلاق کے باب میں ملاحظہ کریں۔) چونکہ غیر مسلم سابقہ شوہر کو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ازدواجی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی سے بے قصور ہے، لہذا بیوی کو معاہدہ توڑنے والی پارٹی سمجھا جانا چاہئے۔ اسے شادی کو تحلیل کرنے کے وقت اس ڈور کو واپس کرنا ہو گا جو اس نے اس سے وصول کیا تھا۔ اگر وہ ایسا کرنے سے قاصر ہے تو، مسلم کمیونٹی شوہر کو ادا کرنے کی پابند ہے، لہذا لازمی طور پر ایک لفظ ہے کہ آپ لوٹ آئیں۔

کمانے کا حق

اور مت ہوس کرو اس فضیلت میں جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے، مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے (4:32)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اے خواتین! آپ کو خدا نے اپنی ضروریات کے لئے باہر جانے کی اجازت دی ہے۔ وہ لوگ جو یہ مانتے ہیں کہ اگر مسلمان خواتین گھر سے باہر کام کریں گی تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر مسلم خواتین کی اخلاقی ریشہ اور تندرستی کو کمی کی صورت میں ہوگا، تو ایسے مرد خود شک، مردانہ عدم استحکام اور عدم تحفظ سے دوچار ہیں۔

خواتین کی گواہی

اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے، (2:282)۔

پورے قرآن کی ایک ہی آیت جو دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے ساتھ مساوی کرتی ہے وہ آیت قرض (2: 282) کے بارے میں ہے۔ یہ قاعدہ صرف ایک دیندار - قرض دہندہ کے لین دین میں لاگو ہوتا ہے جو عام اصول سے مستثنیٰ ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے یکساں طور پر گواہ خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ اصل مقصد گواہی کو محفوظ بنانا تھا، کیونکہ عام طور پر خواتین تجارتی لین دین میں مشغول نہیں ہوتی تھیں اور اس طرح غلطی کرنے یا دھوکہ دہی کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ شرط کہ دو خواتین کو ایک مرد گواہ کے لئے جگہ دی جاسکتی ہے اس کا مطلب عورت کی اخلاقی یا فکری صلاحیتوں پر کوئی عکاسی نہیں ہوتی۔ اس آیت کو تدبیر کی حیثیت سے دیکھنا چاہئے نہ کہ پابندی، اس کا مقصد ان خواتین کا تحفظ ہے جو تجارتی امور میں محتاط نہیں ہو سکتی ہیں۔ مصری مصلح محمد عبدو کا خیال تھا کہ مختلف صنف کے کردار اور زندگی کے تجربات سے متعلق متعلقہ صحیفے میں عورتوں کی کمتر ذہنی صلاحیتوں کے بجائے وقت کی عکاسی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس اصول کو ہر وقت اور ہر جگہ پر لاگو نہیں کیا۔ (دیکھئے محمد عبد اللہ منار میں 111، 124 ایف)

کچھ مردانہ شاونواز، مذہبی معاشروں میں، اس آیت کو خواتین کو دبانے اور انہیں فکری طور پر کمتر قرار دینے کے جواز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ خواتین کے دو ووٹوں کو ایک مرد کے دوٹ کے برابر شمار کیا جانا چاہئے۔

تعلیم کا حق

جب ایک عورت نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ صرف مرد ہی ان کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا۔ صرف تعلیم کے ذریعہ ہی خواتین کسی بھی مساوات کو حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ تعصب پسند جنونی مسلم مرد لڑکیوں کی تعلیم کے حصول کی مخالفت کرتے ہیں۔

آخری نصیحت

خطبہ حجۃ الوداع میں، خواتین کے حقوق کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے واضح فرمایا: ان کو اچھا کھلاؤ اور پہناؤ۔ اپنی خواتین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کے ساتھ نرم سلوک کرو، کیوں کہ وہ آپ کے شراکت دار اور پر عزم مددگار ہیں۔ یاد رکھنا کہ آپ نے ان کو اپنی بیویاں بنا لیا ہے اور صرف خدا کے بھروسے اور اس کی اجازت سے ان کے جسم سے لطف اٹھایا ہے۔

خواتین کو مساوی حقوق دینا

بے شک اللہ انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے، تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

ہسٹن اسمتھ نے ریلیجز آف مین میں لکھا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات کی کثرت کی اجازت دی ہے، اس لئے اسلام پر خواتین کی بدنامی کا الزام لگایا گیا۔ اگر ہم اس وقت کے مطابق، محمد ﷺ سے پہلے اور بعد میں عربی خواتین کی حیثیت کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ الزام بالکل غلط ہے۔ جاہلیت کے دور کے ابتدائی دنوں میں، خواتین کو چیٹل سے تھوڑا زیادہ سمجھا جاتا تھا جو ان کے باپ یا شوہر خوش کرتے تھے۔ خواتین کو نجی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ ان حالات کے مقابلہ میں، بیٹی کی پیدائش کو ایک تباہی سمجھا جاتا تھا۔

وسطی چودہ صدیوں کے تناظر میں، خواتین کی حیثیت میں مثبت تبدیلیاں انقلابی تھیں۔ اکیسویں صدی کے معیار سے خواتین کو قرآن نے مساوی حقوق دیئے ہیں۔ کوئی حقیقت پسندانہ طور پر یہ توقع نہیں کر سکتا کہ چودہ سو سال پہلے خواتین کو راتوں رات مساوی حقوق دیئے جائیں گے۔ تاہم، اسلام کی آمد کی وجہ سے، مساوات کے مقصد کی طرف ایک زبردست چھلانگ لگائی گئی۔ تب سے وقت ایک تعطل کا شکار ہے اور مسلم خواتین نے زیادہ ترقی نہیں کی ہے۔ قدامت پسند مذہبی جھکاؤ کے مسلمان مرد مسلمان خواتین کے حقوق کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ رہے ہیں۔ وہ مراعات یافتہ مراعات سے محروم ہونے کا خدشہ رکھتے ہیں۔ ذاتی فوائد کی خاطر وہ ایک آفاقی اور قرآنی اصول کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں کہ تمام مرد اور خواتین کو برابر پیدا کیا گیا ہے، لہذا انہیں مساوی حقوق ملنے چاہئیں۔

اسلامی اصلاحات نے خواتین کی حیثیت کی بہت زیادہ اصلاح کی، مندرجہ ذیل ہیں :

• **زندہ رہنے کا حق:** قرآن پاک نے لڑکیوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔

• **وراثتی حقوق:** بیٹیوں کو وراثت میں شامل کیا گیا تھا۔ برابر نہیں بلکہ بیٹے کے نصف تناسب تک، جو صرف اس حقیقت کے پیش نظر تھے کہ بیٹیوں کے برعکس، وہ اپنے گھروں کی معاشی ذمہ داری نبھائیں گے جبکہ بیٹیاں معاشی ذمہ داری سے آزاد ہیں۔ (سابقہ باب ملاحظہ کریں)۔

• **تعلیم اور آمدنی حاصل کرنے کا حق**

• **قانون کے تحت مساوی گواہ:** قرآن میں جب صنف میں گواہی بیان کی گئی ہے تو اس میں صنف کا کوئی ذکر نہیں ہے، سوائے قرض کے بارے میں آیت کے۔

• **مساوی شراکت دار:** قرآن ایک جیسے فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ خدا کے حضور مرد اور خواتین کو شریک بناتا ہے۔

• **نکاح کا تقدس:** نکاح کے سلسلے میں اسلام نے خواتین کے لئے سب سے بڑی اصلاح کی۔ اس نے شادی کو جنسی فعل کا واحد ٹھکانہ بنا کر تقدیس کو پاک کر دیا۔ اچھی طرح سے ایڈجسٹ شدہ شادیوں کا کوئی متبادل نہیں ہے، جو ماؤں کے لئے ایک پناہ گاہ اور ایک مثالی ماحول میں بچوں کی پرورش کے لئے ایک جگہ مہیا کرتی ہے۔ سنگل ماں کے خاندانوں میں اضافہ امریکہ میں بچوں اور خواتین میں غربت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

• **طلاق کا حق:** قرآن نے خواتین کو طلاق کا قانونی حق دیا۔ بیشتر مغربی خواتین کے پاس انیسویں صدی تک کوئی موازنہ ہی نہیں تھا۔ مسلمان خواتین کو مردوں کے ساتھ برابری کے حصول کے لئے بہت طویل سفر طے کرنا ہے آئندہ مسلم معاشرے خواتین کو مساوی حقوق دینے کے خواہشمند ہوں۔ قرآن بار بار استدلال کے استعمال پر زور دیتا ہے، اور اگر ہم خدا کی عطا کردہ منطق کو استعمال کرتے ہیں تو کسی بھی طرح کی امتیاز استدلال کے برخلاف ہے۔ خدا جو رحم کرنے والا اور مہربان ہے، 50 فیصد مسلم آبادی کے حالات زندگی اور وقار کو بلند کرنے سے کیسے انکار کر سکتا ہے؟ عورتوں کی آزادی کو نبی کریم ﷺ کو دل عزیز تھی۔ اگر حضرت محمد ﷺ آج زندہ ہوتے تو کیا کرتے؟ وہ یقیناً خواتین کو مساوی حقوق دیتے۔

شادی

جنسی تعلقات سے خدا کی خوشنودی

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے بنائے، تمہیں زمین میں پھیلاتا ہے، کوئی چیز اس کی مثل نہیں، اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، روزی کشادہ کرتا ہے جس کی چاہے اور تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تمام تر مخلوق (نر اور مادہ) یا عام طور پر مخالف (سیاہ اور سفید، مثبت اور منفی، اوپر اور نیچے وغیرہ) کے تصور میں قطعی پن واضح ہے، جبکہ خدا، وہ تنہا منفرد ہیں، بغیر کسی چیز کے مخالف یا مماثل یا تکمیلی کہا جائے۔ لہذا، مذکورہ بالا بیان کہ اس کی طرح کوئی چیز نہیں ہے۔

شادی کے اندر رہتے ہوئے جنسی تعلقات

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔ پس جو شخص اس کے علاوہ طلب گار ہو تو وہی حد سے نکلنے والے ہیں۔ (7-5، 23:1)

حیض کے دوران جنسی جماع کی ممانعت

اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو وہ نجاست ہے پس حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو، اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور بہت پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (2:222)

یہ قرآن مجید میں جنسی طور پر مثبت، خدا کی فطرت کے متعدد حوالوں میں سے ایک ہے۔ اگر کسی جوڑے نے مذکورہ پابندی کے خلاف سرکشی کی، تو ان کو توبہ کرنا ہوگی۔ ماہواری کے بعد رسمی طور پر تزکیہ کرنے کا خیال آر تھو ڈو کس یہودی برادری میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہودی قانون

کے مطابق، شادی شدہ خواتین کو اپنے شوہروں کے ساتھ ازدواجی تعلقات کو دوبارہ شروع کرنے سے پہلے ماہانہ حیض کی تکمیل کے ساتھ دن بعد، ایک رسمی غسل کرنا ہوتا ہے جسے میکواہ کہا جاتا ہے۔

بیماریوں کے کنٹرول اور روک تھام کے مرکز کے مطابق، اس وقت کے دوران، کوئی ایچ ٹی وی یا ایڈز کی طرح ایس ٹی آئی (جنسی طور پر منتقل ہونے والا انفیکشن) حاصل یا منتقل کر سکتا ہے۔ وائرس ماہواری کے خون میں موجود ہو سکتا ہے۔ کوئی جسمانی سیال ایچ ٹی آئی وی یا [دیگر] ایس ٹی آئی لے سکتا ہے، اور [مدت کے دوران] گریو اتھوڑا سا کھلتا ہے، جس سے وائرس کو گزرنے کا موقع مل سکتا ہے۔

خاندان، خدا کی نعمت

- اور اللہ نے تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں پیدا کیں اور تمہیں تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیے اور تمہیں کھانے کے لیے اچھی چیزیں دیں، پھر کیا جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (16:72)
- اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے۔ (25:74)

نکاح کی بنیاد روحانیت

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتوں میں جیسے چاہو آؤ، اور اپنے لیے آئندہ کی بھی تیاری کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم ضرور اسے ملو گے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو۔ (2:223)

مرد اور عورت کے مابین روحانی تعلقات کو جنسی تعلقات کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ لفظی طور پر اپنی نوعیت کے ساتھی کے جملے میں آپ کے ساتھیوں کو اپنے آپ سے بنادیا ہے۔

بچے خدا کا تحفہ

آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔ یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک وہ خبردار قدرت والا ہے۔ اور کسی انسان کا حق نہیں کہ اس سے اللہ کلام کر لے مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اس کے حکم سے القا کر لے جو چاہے، بے شک وہ بڑا عالیشان حکمت والا ہے۔ (42:49-50)

اس حصہ کا مقصد ایک بار پھر اس بات کی تصدیق ہے کہ انسان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ خدا کی لََا انتہاری حقیقت کی مثال انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ عام اور متواتر ملتی ہے وہ مرد یا عورت کی پیدائش کی غیر متوقع حیثیت سے ہے، اس کے ساتھ ساتھ بانجھ پن بھی اسی کی مثال ہے۔ خدا کی دنیاوی خوشی اور ناخوشی کا عطا کردہ اس معاملے میں اس کی پیدائش یا پیش گوئی نہیں کی جاسکتی ہے کہ اسے انسان اپنی واجب الادا سمجھ سکتا ہے۔

مرد کی خواتین کے لئے ذمہ داریاں

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں، پھر نیک عورتیں تابعہ رہتی ہیں کہ مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی مدد سے (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور بستر میں انہیں جدا کر دو اور مارو، پھر اگر تمہارا کہان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لیے بہانے مت تلاش کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔ (4:34)

یہ بیان کہ وہ عورت کی دیکھ بھال کرے گا جسمانی دیکھ بھال اور حفاظت کے ساتھ ساتھ اخلاقی ذمہ داری کے تصورات کو بھی یکجا کیا ہے، اور یہ آخری نامزد عنصر کی وجہ سے پیش کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں کا پورا خیال رکھے گا۔

خاندان کا منفی پہلو

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں سو ان سے بچتے رہو، اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے محض آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا سو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (64:14-15)

کنبہ کی محبت دودھاری تلوار ہو سکتی ہے۔ کنبہ خدا کی ایک نعمت ہے۔ بعض اوقات، اس کے اہل خانہ کی محبت کسی مومن کو ضمیر اور ایمان کے تقاضوں کے برخلاف کام کرنے کا لالچ دے سکتی ہے۔ اگر کنبہ کا کوئی فرد شعور کے ساتھ متعلقہ فرد کو حقیقی یا خیالی خاندانی مفاد کو پورا کرنے کے لئے اپنے اخلاقی وعدوں میں سے کچھ ترک کرنے کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ دوسرے، روحانی دشمن بن جاتے ہیں۔ دنیاوی سامان سے محبت اور کسی کے گھر والوں کی حفاظت کی خواہش، جسے آزمائش اور فتنہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، کسی شخص کو خطا اور خدا کے پیغام میں اخلاقی اقدار کے ساتھ دھوکہ دہی کی طرف لے جاسکتی ہے۔

شادی کے لئے شرط

اور جو تم میں مجرّد ہوں اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں سب کے نکاح کرادو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ کشاکش والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور چاہیے کہ پاک دامن رہیں وہ جو نکاح کی توفیق نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ (24:32-33)

کسی کے شادی کے لئے موزوں ہونے کا تعین جسمانی، ذہنی پختگی اور متعلقہ مرد اور عورت کے مابین باہمی پیار کے ذریعے ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق، شادی ایک سنجیدہ عہد ہے اور پوری فکری پختگی کی مستحق ہے، نہ صرف بلوغت کی۔ اس آیت میں بچوں کی شادیوں کو مسترد کیا گیا ہے۔ معاشرے کے آزاد ممبروں اور غلاموں کے ساتھ شادی کی اجازت ہے۔

شادی یا کنوارا پن

عام اصطلاح میں کسی بھی جنس کے کسی فرد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی کوئی شریک حیات نہیں ہے، خواہ اس کی شادی کبھی نہیں ہوئی ہے یا طلاق یا بیوہ نہیں ہے۔ مذکورہ آیت میں نبی ﷺ کے متعدد مستند اقوال میں اس خیال کا اعادہ کیا گیا ہے کہ - اخلاقی اور معاشرتی دونوں نقطہ نظر سے، شادی شدہ حالت کو کنوارے ہونے پر ترجیح دی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں ہر طرح کی رعایت کو مسترد کیا گیا ہے اور مرد اور اس کی غلام عورت کے مابین حلال جنسی تعلقات کی واحد بنیاد شادی کو پوسٹ کیا گیا ہے۔ اگر کوئی غربت کی وجہ سے شادی کرنے سے قاصر ہے یا کوئی مناسب ساتھی نہیں ڈھونڈ سکتا ہے، یا کسی اور ذاتی وجہ سے، تو خدا انہیں اپنے فضل و کرم سے استقامت عطا کرتا ہے۔

عیسائی اور یہودی خواتین

آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے، اور (تمہارے لیے حلال ہیں) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان پاک دامن عورتوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب کہ ان کے مہر انہیں دے دیا ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہونہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو ایمان سے منکر ہو تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔ (5:5)

ایک دوسرے آسمانی مذہب کے پیروکاروں میں سے مسلمان مردوں کو ان کی خواتین سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں واضح طور پر حکم نہیں دیا گیا ہے کہ مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی مرد سے شادی کرے گی۔ بہت سارے حکام کا خیال ہے کہ مسلمان خواتین کو یہودیوں یا عیسائیوں سے بھی شادی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ قرآن کریم میں یہ واضح طور پر بیان بتایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

اسلام تمام انبیاء کی تعظیم کرتا ہے۔ عیسائی حضرت محمد ﷺ کو رد کرتے ہیں، بالکل جیسے یہودی کرتے ہیں، وہ محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کا ہی وہ انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک غیر مسلم خاتون جو مسلمان سے شادی کر سکتی ہے اس بات کا یقین کر سکتی ہے کہ - تمام نظریاتی اختلافات کے باوجود اس کے ایمان میں انبیاء کا ذکر اس کے مسلم ماحول میں انتہائی احترام کے ساتھ کیا جائے گا، ایک مسلمان جو غیر مسلم سے شادی کرے گا ہمیشہ اس کے نظریات کا احترام کرے گا۔ جو اللہ رسول ﷺ کو مانتا ہو گا، اسے کسی بھی قسم کی بدسلوکی کا ڈر نہیں ہو گا۔

جہیز بطور تحفہ

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو، پھر اگر وہ اس میں سے اپنی خوشی سے تمہیں کچھ معاف کر دیں تو تم اسے مزے دار خوشگوار سمجھ کر لے لو۔ (4:4)

پھر ان عورتوں میں سے جسے تم کام میں لائے ہو تو ان کے جو حق مقرر ہوئے ہیں وہ انہیں دے دو، البتہ ایسے سمجھوتے میں کوئی گناہ نہیں ہے جو مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد آپس کی باہمی رضامندی سے ہو جائے، بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔ (4:24)

جہیز کا تحفہ اس کے بدلے میں کسی چیز کی توقع کیے بغیر اپنی مرضی کے مطابق، کچھ دینے کا اشارہ دیتا ہے۔ قانون میں دلہا کو دلہن کو دینے والے حق مہر کی رقم طے نہیں کی گئی ہے۔ متعدد تالیفوں میں درج متعدد مستند روایات کے مطابق، نبی نے یہ واضح کیا کہ اگر دلہن اسے قبول کرنے پر راضی ہو جائے تو، یہاں تک کہ ایک لوہے کی انگوٹھی بھی کافی ہو سکتی ہے، یا اس سے بھی کم ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت بھی اپنی دلہن کو پیش کرنا کافی ہو گا اگر اس کی دلہن اس پر رضامند ہے۔

جہیز کی وضاحت ہو سکتی ہے یا غیر متعینہ ہے، اور مذکورہ جہیز کی دو حصوں میں ادائیگی کی جاسکتی ہے۔ جہیز شادی پر فوراً ادا کیا جانا چاہئے۔ موخر جہیز شوہر سے طلاق یا اس کی موت کے بعد ادا کیے جانے والے غیر محفوظ قرض کی طرح ہے۔

یک زوجی اور کثیر الزواجی

اور اگر تم یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو، اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو یا جو لونڈی تمہارے ملک میں ہو وہی سہی، یہ طریقہ بے انصافی سے بچنے کے لیے زیادہ قریب ہے۔ (4:3)

مذکورہ بالا حصے کا مقصد یہ ہے: جس طرح آپ اپنی نگہداشت کے تحت یتیموں کے مفادات کو مجروح کرنے سے ڈرتے ہیں، اسی طرح آپ کو ان خواتین کے مفادات اور حقوق کے لئے بھی اسی احتیاط سے غور کرنا چاہئے جس سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری عورتوں میں سے شادی کریں جو آپ کے لئے حلال ہیں یا ان میں سے جن کے آپ صحیح طور پر مالک ہیں (خواتین غلام) یعنی دو، یا تین، یا چار۔ لیکن اگر آپ کو یہ خوف ہونے ہے کہ آپ ان کے ساتھ برابری کے ساتھ سلوک نہیں کر سکتے ہیں تو پھر صرف ایک سے شادی کریں — خواہ وہ آزاد عورتیں ہوں یا سابقہ غلام، بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ نہ ہو۔ ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت اس شرط پر پابندی ہے کہ اگر آپ کو یہ خدشہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ برابری کے ساتھ سلوک نہیں کر سکتے ہیں تو صرف ایک ہی سے شادی کریں۔ مساوی سلوک کی شرط صرف غیر معمولی حالات میں ہی کثیر شادیوں کو ممکن بناتی ہے (پچھلے باب میں 24:32 دیکھیں)۔

ایک بیوی کے لئے دوسری بیوی کا تبادلہ

اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو۔ اور اگر تم ایک عورت کو دوسری عورت سے بدلنا چاہو، اور ایک کو بہت سامان دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے۔ تم اسے کیونکر لے سکتے ہو جب کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکا ہے اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ (4:19-21)

دوسری بیوی کے لئے ایک بیوی کے تبادلے کا اشارہ قرآنی نظریہ کا واضح اشارہ ہے کہ یکساں نکاح ناممکن رواج ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق، اگر چار گواہوں کے براہ راست شواہد نے بیوی کے غیر اخلاقی سلوک کو ثابت کر دیا تو، شوہر کو اسے طلاق دینے کا حق ہے۔ وہ حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے جو اس نے اسے شادی کے وقت دیا تھا۔ مذکورہ بالا آیات شوہر کو متنبہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے حق مہر کو دوبارہ حاصل کرنے کی امید میں غیر اخلاقی سلوک کا جھوٹا الزام نہ لگائے۔

اور تم عورتوں (بیویوں) کو ہرگز برابر نہیں رکھ سکو گے اگرچہ اس کی حرص کرو، سو تم بالکل ہی ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری عورت کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو، اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیز گاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (4:129)

اس سے مراد ایسے معاملات ہیں جہاں مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔ ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کی طرف جھکاؤ نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسری کو پیار سے انکار کر دیا گیا ہے اور اسے رد کر دیا گیا ہے۔ جو شخص اپنی اخلاقی ذمہ داری سے پوری طرح واقف ہے اسے شاید یہ محسوس ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہے اگر وہ اپنی کسی بیوی کو دوسری (یا دوسروں) سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت اس نکتے پر یہ واضح کر کے عدالتی روشن خیالی فراہم کرتی ہے کہ اگر آپ چیزوں کو حقوق کے لئے رکھتے ہیں تو خدا بخشنے والا ہے۔

ایک اصول کے طور پر یک زوجی

ایک آدمی، ایک بیوی زندگی کا سب سے فطری طریقہ ہے۔ قرآن پاک نے تمام فیصلہ سازی میں بار بار استدلال کے استعمال پر زور دیا ہے۔ بچوں کی پرورش کا مثالی ماحول ایک ماں اور باپ کے ساتھ ہے، جس میں ایک توسیع کنبے کی حمایت حاصل ہے۔ ازدواجی زندگی کی نسبت زیادہ تر خاندان میں ہم آہنگی کے لئے سازگار ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ خدا نے ایک آدم اور چار حوا پیدا نہیں کیں۔ صحت مند اور خوشگوار خاندانی زندگی کے مفاد میں یک ازدواجی برتر ہے اور اس کی حکمرانی ہونی چاہئے۔ ازدواجی استثناء ہونا چاہئے۔ مسلم خاندانوں کی اکثریت متنوع ہے۔

یہ اجازت جو مرد کے عزم اور اپنی بیویوں کے ساتھ برابری کے ساتھ برتاؤ کرنے کی صلاحیت پر مشروط ہے، اس باب کے آغاز کی سورت 4:3 میں درج ہے۔ تاہم، اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ انسان کا سلوک تقریباً محالہ اس سے متاثر ہوتا ہے کہ وہ اس شخص کے بارے میں کیسا محسوس کرتا ہے، مذکورہ بالا حصہ 4:4 کے ساتھ مل کر پڑھا جاتا ہے اور خاص طور پر اس کا حتمی جملہ کثرت کی شادیوں کی زیادہ تائید نہیں کرتا۔

برابر معاملات

وہ حکم جس کی طرف قرآنی قانون انسان پر دباؤ ڈالتا ہے وہ توحید ہے۔ اس قول کی تائید کرنا قرآن کا بیان ہے کہ اگر آپ [ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ] برابری اور انصاف کے ساتھ معاملہ نہیں کر سکتے ہیں تو آپ صرف ایک ہی سے شادی کریں گے۔ چونکہ قرآن میں لفظ مساوات استعمال کیا گیا ہے جس سے نہ صرف مادوں کی فراہمی میں مساوات کی نشاندہی ہوتی ہے بلکہ محبت، پیار اور احترام میں بھی مکمل مساوات ہو سکتی ہے، لہذا بعد میں یکساں طور پر تقسیم کرنے کی ناممکنیت اس آیت کو عام حالات میں کثرت سے باز آتی ہے۔ یہ تشریح ہجری کی تیسری صدی کے شروع سے ہی مسلم تصویر میں ہے اور اس میں بڑھتی ہوئی قبولیت آرہی ہے۔ کسی بھی ممکنہ غلط فہمی سے بچنے کے لئے، اب بہت سارے مسلمان شادی میں ایک ایسی شق داخل کرتے ہیں جس کے ذریعہ شوہر باضابطہ طور پر دوسری بیوی والے اپنے حق

سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ کسی بھی صورت میں چونکہ اسلام میں شادی ایک مکمل طور پر عوامی معاہدہ ہے، لہذا اطلاق کا سہارا ہمیشہ دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کھلا رہتا ہے۔

متعدد ازدواجی ایک استثناء کی حیثیت، جب متعدد ازدواج کی اجازت ہے؟

ازواج مطہرہ اسلام کی لچکدار صلاحیت کی ایک اور مثال ہے جس میں مختلف حالات کے ساتھ دانشمندی کے ساتھ بات کرنا ہے۔ اسلام کسی بھی طرح کی کثیر الزواج کی اجازت نہیں دیتا ہے، جہاں انسان صرف چار بیویوں کو اس وجہ سے رکھ سکتا ہے کہ وہ اس کی خواہش رکھتا ہے۔ اسے صرف کچھ غیر معمولی شرائط میں متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ انسانی وجود کی اس نامکمل حالت میں ایسے حالات موجود ہیں جب کثیر ازدواجی اس کے متبادل کے مقابلے میں اخلاقی طور پر ترجیح دی جاتی ہے۔ ایسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی بیوی فاج یا کسی اور معذوری کا شکار ہو جائے، جو اسے جنسی تسکین نہ دے سکے۔ ایسی جنگ جس میں مردوں کی تعداد میں کافی حد تک کمی واقع ہو اس کی ایک اور مثال ہوگی۔ آئیڈیالوجسٹ ایسے حالات میں بہادری کا مقابلہ کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں، لیکن بہادری بڑے پیمانے پر پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ انتخاب بعض اوقات ایک پہچان جانے والی اور اخلاقی بہوواہ یا بیوہ عورت کے درمیان ہوتا ہے جو تاریک مستقبل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ متنوع حالات کے نقطہ نظر میں یہی چلک ہے جس کی وجہ سے اسلام کے مغربی طالب علم، ریجنالڈ بوسورتھ اسمتھ نے مندرجہ ذیل لکھا: پہلے تو ان سخت قوانین کے ذریعہ، اور اس کے بعد ان قوانین کے ذریعہ پیدا ہونے والے مضبوط اخلاقی جذبات کے ذریعہ [محمد ﷺ کا میاب ہو چکے ہیں، آج تک اور اس سے کہیں زیادہ واقعات میں اس سے کہیں زیادہ معاملات پہلے ہی کامیاب ہو چکے ہیں، تمام اسلامی ممالک کو ان پیشہ ورانہ آزاروں سے آزاد کرنے میں، جو اپنے غم و فراز سے زندگی بسر کرتے ہیں، اور اپنے وجود سے ایک تسلیم شدہ طبقے کی حیثیت سے کھڑے ہیں۔

محدود کثیر الزواجی کی اجازت

یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی جس میں تقریباً 75 مسلمان مرد شہید ہوئے (ملاحظہ کریں) 4:3 مسلم مردوں کو بیواؤں اور ان کے بچوں کی سہولت کے لئے چار بیویاں لینے کی اجازت تھی۔ اس نے نہ صرف تعدد ازدواجی زندگی، بلکہ متعدد ازدواجی رشتے پر مبنی ازدواجی انتظامات اور کثرت ازدواجی عنصر (جس میں ایک عورت کے ایک سے زیادہ شوہر ہوتے ہیں) کی جگہ لے لی۔ اسلام سے پہلے کے عرب میں، مرد اپنی خواہش کے مطابق زیادہ سے زیادہ بیویاں کر سکتے تھے۔ آیت 4:3 تمام ازدواج کے ساتھ انصاف کی فراہمی کے ساتھ چار ازدواج پر پابندی عائد کرتی ہے۔ بصورت دیگر، صرف ایک کی اجازت ہے۔

کثیر الزوجی کے منفی اثرات

ازدواجی رواج سے کنبہ پر بہت سے منفی اثرات پڑتے ہیں۔ بیویوں اور بچوں میں شدید دشمنی اور حسد نے خاندانی ماحول کو زہر آلود کر دیا۔ بچوں کے نفسیات کے لئے ہمیشہ متنازعہ حالات میں پرورش پانا صحت مند نہیں ہے۔ اچھے باپ کی نظر میں بچوں کی خوشی کو اس کی خود غرض جنسی خواہشات سے بالاتر ہونا چاہئے۔

حضور ﷺ کی مثال

یہاں تک کہ نبی ﷺ کے گھر میں، اپنی بیویوں میں باہمی حسد اس وقت تک موجود تھا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے وحی آنے کے بعد اپنی تمام بیویوں کو طلاق دینے کی بات تھی۔

کثیر الزوجی کے دعویدار جو نبی ﷺ کی مثال پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں نکاح سے پہلے باز پرس کرنی چاہئے، پھر پندرہ سال بڑی بیوہ سے نکاح کرنا چاہئے اور پچیس سال تک ایک ساتھ رہ کر بھی دکھانا چاہئے۔ ان کے بڑھاپے میں، ان کی کفالت کے لئے بیوہ خواتین سے شادی کرنی چاہئے۔

ازدواجی قوانین جو صرف نبی ﷺ پر خصوصی طور پر لاگو ہوتے ہیں وہ باقی مومنوں کے لئے نہیں تھے (دیکھیں اس جلد کا باب 27)۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مثال کی پیروی کرنے کے ڈھونگ کے تحت، مرد متعدد کم عمر خواتین کے ساتھ جنسی تعلقات کے بارے میں تصور کرتے ہیں۔ ایسے مرد اپنی بڑی بیویوں کو طلاق دے کر ترک کر دیں گے اور کم عمر لڑکیوں سے شادی کریں گے، اس طرح شادی کے مقدس قوانین کو بھٹکائیں گے۔

جب کثرت ازدواجی کی بات کی جاتی ہے تو، پیغمبر ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے دوسری بیوی کو منظور نہیں کیا، جس کی شادی فاطمہ رضی اللہ عنہا (محمد ﷺ کی بیٹی) سے ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا، بنو ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ان کی بیٹی کا نکاح علی سے کرنے کی اجازت دوں، لیکن میں اس وقت تک اجازت نہیں دوں گا جب تک کہ علی میری بیٹی کو طلاق نہ دے۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہیں، اور میں اس سے نفرت کرتا ہوں جس کو دیکھنے سے وہ نفرت کرتی ہیں اور جس چیز سے اس کو تکلیف پہنچتی ہے وہ مجھے تکلیف دیتی ہے۔

کثیر الزوجی کے لئے شرائط

جب کوئی بیوی ناقابل واپسی طبی حالت کی وجہ سے اپنے ازدواجی فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہوتی ہے تو اس کے بجائے کہ اسے اس کا شوہر طلاق دے کر نرسنگ ہوم میں ڈال دے، اس سے کہیں زیادہ برتر انسانیت کی بات ہے کہ اسے اپنے گھر میں ہی رکھا جائے، جبکہ شوہر دوسری شادی کر لے۔

دوسری بیوی کے خواہش مند مردوں کو دوسری بیوی رکھنے کا جواز ثابت کرنے کے لئے جج سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اسے معاشی طور پر اپنی اہلیہ کی دیکھ بھال اور مدد کے لئے مناسب انتظامات کرنے کے قابل ہونا چاہئے اور اسے یہ حلف اٹھانا ہو گا کہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔

مغرب میں یک ازدواجی کارواج

مغرب میں یک ازدواجی کو یونان اور روم سے وراثت میں آئی ہے، جہاں مردوں کو قانون کے ذریعہ ایک بیوی تک محدود رکھا گیا تھا لیکن وہ آزادانہ طور پر غلاموں کی اکثریت میں اپنی پسند کے مطابق زیادہ سے زیادہ لونڈی رکھنے کے لئے آزاد تھے۔ جنسی تعلق ذمہ داری سے الگ تھا۔ اس طرح کی یونینوں کے بچوں کو اپنے حیاتیاتی والد کے مال یا وراثت کا کوئی حق حاصل نہیں تھا اور عورتوں کو یہ حق نہیں تھا کہ جو عام طور پر ازواج کو دیا جاتا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں ایسی درجنوں مثالوں موجود ہیں جن میں مردوں کی ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویوں سے شادی کی جاتی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نیک آدمیوں کی مثال ہیں جن کے پاس مرد کے وارثوں کے لئے کئی بیویاں تھیں۔ اگرچہ یک ازدواجی ریاستہائے متحدہ کا قانون ہے، لیکن یہ صرف کاغذ پر موجود ہے، کیونکہ لوگ شادی کے باہر کی خواہش سے زیادہ سے زیادہ شراکت دار / لونڈی رکھ سکتے ہیں جب تک کہ وہ دوسرے قانونی ازدواجی معاہدے میں داخل نہ ہوں۔ عام طور پر مرد اپنی لونڈی اور اس طرح کی یونین کے ذریعے پیدا ہونے والے بچوں کی دیکھ بھال کرنے میں کسی بھی قسم کی ذمہ داری سے گریز کرتے ہیں۔ بچوں کی امداد کی ادائیگی کے لئے اکثر قانونی نظام کے ذریعہ باپ کو مجبور کرنا پڑتا ہے۔ ٹیکساس کے قانون کے تحت، شادی بیاہ کو تیسری ڈگری کے طور پر درجہ بندی کیا گیا ہے۔ اس کی سزا دس سال تک قید اور 10000 ڈالر تک جرمانہ ہے۔ اگر کوئی مرد دوسری بیوی سے شادی کرتا ہے تو وہ جیل میں ہی ختم ہو گا، جبکہ غیر شادی شدہ جنسی تعلقات کا کوئی تعزیتی قانونی نتیجہ نہیں ہوتا ہے۔

جنسی لذت گیری سے بچانے کی کوشش

اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور گھورنے سے گریز کریں

ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (24:30)

مخالف جنس کے شخص کو زیادہ دیر تک گھورنا ممنوع ہے۔ کسی کی نگاہوں کو گھٹانا اور ان کی عفت کو ذہن نشین کرنا دونوں کا تعلق جسمانی شائستگی اور جذباتی شائستگی سے ہے۔ مؤخر الذکر اظہار کسی کے ذاتی حصوں کو ڈھانپنے کے لفظی معنی میں یا لباس میں شائستگی اور کسی کے جنسی خواہشات پر قابو پانے کے اعتدال پسند احساس دونوں کو سمجھا جاسکتا ہے، جو ان کو حلال ہے۔ یعنی ازدواجی جماع تک محدود ہے۔ مذکورہ بالا حکم میں کلیدی شق کا مطالبہ ہے جس کو مرد اور خواتین کے یکساں الفاظ میں قرار دیا گیا ہے، تاکہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ معاشرتی اخلاقیات کے قرآنی اصول کے ساتھ اتفاق رائے سے، کسی فرد کی ظاہری شکل کے حوالے سے اسے مہذب سمجھا جاتا ہے۔ جو [شائستہ طور پر] واضح ہو سکتا ہے کی تعریف زیادہ وسیع ہے، اور اس جملے کی دانستہ طور پر دھندلاسا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اخلاقی اور معاشرتی نشوونما کے لئے ضروری تمام وقتی تبدیلیاں کی اجازت دی جائے۔

اسلام سے پہلے کے زمانے میں خواتین کے ذریعہ روایتی طور پر استعمال کیے جانے والے کپڑے میں سر کو ڈھانپنے کا مقصد زیادہ پرکشش نظر آنا تھا، لیکن اس کا عموماً کوئی عملی مقصد نہیں ہوتا تھا۔ پہننے والوں کی پیٹھ کے اوپر ڈھکی چھلکی نیچے ڈالی گئی تھی، اور چھاتی کو ڈھانپنے کا حکم یہ واضح کرنا تھا کہ عورت کے سینوں کو جو چیز شائستہ ہو سکتی ہے کے تصور میں شامل نہیں ہے اور اسے ظاہر نہیں کیا جانا چاہئے۔

شائستگی

اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے غلاموں پر یا ان خدمت گاروں پر جنہیں عورت کی

حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں، اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔ (24:31)

اور وہ بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی رغبت نہیں رکھتیں ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت کا اظہار نہ کریں، اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (24:60)

صرف نبی ﷺ کی بیویوں کے لئے خصوصی پردہ

اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے۔ (33:53)

حجاب کی اصطلاح ہر ایسی چیز کی نشاندہی کرتی ہے جو دو چیزوں کے درمیان مداخلت کرتی ہے یا پوشیدہ، پناہ گاہیں، یا کسی کو دوسرے سے چھپانا ہے۔ سیاق و سباق کے مطابق، اس میں رکاوٹ، مزاحمت، تقسیم، اسکرین، چھپانا، پردہ وغیرہ کی طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔ پردے کے پیچھے سے کا مطلب مومنین کی ماؤں کے پاس جانے کی ممانعت کا احترام کرنا تھا۔ اسے لفظی طور پر اکثر صحابہ نے لیا تھا۔ مذکورہ آیت کو عوامی جگہ کو نجی جگہ سے الگ کرنے کی ضرورت کے ذریعہ اشارہ کیا گیا تھا۔ آیت میں صرف نبی ﷺ کی بیویوں کی طرف اشارہ کر کے عوام الناس کی خواتین کو بھی پردے میں رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

مسلمان عورت کے لئے عوام میں اپنا چہرہ ڈھانپنا لازمی ہے۔ وہ لوگ جو پیغمبروں کی ازواج مطہرات کی مثال کی پیروی کرنے اور اپنے چہروں کو عوام میں نہ ڈھانپنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دوسری عورتوں پر اپنے نام نہاد اعلیٰ تقویٰ کا شعوری یا لاشعوری بیان دے رہے ہیں۔

اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں، یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچانی جائیں پھر نہ ستائی جائیں، اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ (33:59)

اس تجویز میں دانستہ طور پر ابہام پایا جاتا ہے کہ خواتین کو عوامی طور پر اپنے کچھ بیرونی لباس اپنے اوپر کھینچنا چاہئے۔ اس آیت کا مقصد عمومی معنوں میں حکم نامہ نہیں تھا بلکہ وقت اور معاشرتی ماحول کے بدلتے ہوئے پس منظر کے خلاف مشاہدہ کیا جانا ایک اخلاقی رہنما اصول تھا۔ اس تلاش کو خدا کی مغفرت اور فضل کے اختتامی حوالہ سے تقویت ملی ہے۔

خواتین کی علیحدگی

عوام میں نرمی کا مقصد اسلام سے پہلے کے دنوں کے وسیع پیمانے پر اعلانات کی جانچ پڑتال کرنا تھا۔ قرآن حکیم عوام میں لباس کے لئے کم سے کم ضرورت کا تعین کرتا ہے۔ اس کا مقصد خواتین کے استحصال کو روکنا ہے اور انہیں جنسی چیزوں کے طور پر دیکھنا سے باز رکھنا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے بھی مسلمان مرد و خواتین کے لئے لباس کے قرآنی احکامات کو واضح کر دیا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ جنسی بے راہ روی سے دور رہے۔

پردے کا رواج، یا عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں رکھنا، یہی اصل اسلام ہے اور اس کی تعلیمات ہیں۔ پردہ، جیسا کہ مشہور سمجھا جاتا ہے، نہ صرف خواتین کی اعلیٰ اور متوسط طبقے کے لئے ہی ممکن ہے، بلکہ چھوٹی کلاس کی مزدوری کرنے والی خواتین پوری دنیا میں اپنے روزمرہ کے کھانے کے لئے سخت محنت کر رہی ہیں، ان کے لئے بھی پردہ کرنا لازمی ہے۔

قرآن مجید میں نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے کوئی جداگانہ اور پردہ پوشی کی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید تمام خواتین کی پردہ پوشی یا ان کی علیحدگی کی ضرورت کو واضح کرتا ہے۔ اسی لئے ہمارے اس سے معاشرے میں مرد اور خواتین دونوں کی شرکت اور مذہبی ذمہ داری پر زور دیا جاتا ہے۔ درحقیقت، حج کے دوران، خواتین پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے مقامات پر چہرہ ڈھکائیں جبکہ وہ تمام جگہوں میں سب سے زیادہ پاک جگہیں ہیں۔

علیحدگی اور نقاب ایک اسلامی روایت ہے

مدینہ میں پہلی امت کی خواتین نے اس وقت کی عوامی زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بعض نے مختلف لڑائیوں میں بھی حصہ لیا۔ ایسا نہیں لگتا تھا کہ انہوں نے اسلام کو ایک جابر مذہب کے طور پر لیا ہوگا۔ شہری کی حیثیت سے عورت کے حقوق — تعلیم، مراعات اور پیشہ ورانہ تعلیم کے بارے میں واضح ہیں۔ قرآن نے خواتین کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل مساوات کا راستہ کھولا ہے۔

چہرے کے ہر طرف سر اور کندھوں کو ڈھانپنے کے لئے پہنا جانا ایک ایسی چیز کا ٹکڑا ہے جو مسلمان خاتون کے ہیڈ ڈریس کا ایک حصہ بناتا ہے۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کئی نسلوں کے بعد علیحدگی اور پردے کے عیسائی رسم و رواج کو چھوڑ دیا۔ آج، مرد اکثریتی اسلامی ممالک نے قرآنی قانون سازی کے بہت سے اصل مقاصد کو ناکام بنا دیا ہے۔ پردے سے چہرہ ڈھانپنا عین اسلامی روایت ہے۔

خواتین کی علیحدگی غیر متوقع اور اچھے اثرات مرتب کرتی ہے۔ چونکہ یہ مسجد معاشرتی زندگی کے مرکز کے طور پر کام کرتی ہے، اس لئے خواتین نے مسجد میں عوامی طور پر عبادت کرنا چھوڑ دی ہے اور بہت سارے اسلامی ممالک میں معاشرتی اور تعلیمی سرگرمیوں سے انکار کر دیا گیا ہے۔

طلاق

قبل از اسلام کے دور میں طلاق

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کی جناب میں شکایت کرتی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے، اور بے شک انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات منہ سے نکالی ہے اور بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ (2-58:1)

اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دودل نہیں بنائے، اور نہ اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنایا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹیوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارے منہ کی بات ہے، اور اللہ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ (4:33)

مذکورہ بالا خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے معاملے کا حوالہ ہے، جن کے شوہر نے انکو طلاق دی تھی جسے اسلام سے قبل ظہار کا نام دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اس طلاق کے خلاف نبی کریم ﷺ کے سامنے التجا کی۔ ان کے شوہر نے انہیں اپنے تمام ازدواجی حقوق سے محروم کر دیا اور ان کے لئے دوبارہ کسی اور سے شادی کرنا ممکن بنا دیا۔ نبی ﷺ جن کا خیال تھا کہ ظہار کے ذریعہ طلاق جائز ہے، لہذا انہوں نے خولہ سے کہا، اب تم واقعی اس کے لئے حرام ہو۔ مذکورہ آیات میں ظہار کی خدائی ممانعت کے ذریعہ اس رائے کو تقریباً فوری طور پر تبدیل کر دیا گیا۔ مذکورہ واقعے کے بعد ظہار کا رواج ختم کر دیا گیا۔

قبل از اسلام عربی ظہار کے مطابق، ایک شوہر محض یہ اعلان کر کے اپنی بیوی سے طلاق لے سکتا ہے، اب تم میری ماں کی حیثیت سے میرے لئے غیر قانونی ہو۔ دوسرے لفظوں میں، اب اپنی بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا غیر قانونی ہے، جس طرح اپنی ماں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا غیر قانونی ہے۔ شوہر جب بھی اپنی مرضی سے طلاق کا اعلان کر سکتے تھے۔ جب بھی اس کے تعلقات اس کی بیوی سے دبے ہوئے تھے، وہ طلاق کا اعلان کرتے تھے اور پھر جب بھی اس کا دل کرتا، وہ دوبارہ تعلق قائم کر لیتا۔ عارضی طور پر طلاق کے اعلانات بار بار دہرائے جاتے رہے۔ وقت کی تعداد کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ یہ کر سکتا تھا۔ بیوی نہ تو اپنے شوہر سے ازدواجی تعلقات رکھ سکتی ہے اور نہ ہی

کسی اور سے شادی کر سکتی ہے۔ کافر عرب معاشرے میں، طلاق کے اس طرز کو حتمی اور اٹل سمجھا جاتا تھا، لیکن اس طرح طلاق یافتہ عورت کو دوبارہ شادی کی اجازت نہیں تھی اور اسے اپنے سابقہ شوہر کی حراست میں ہمیشہ کے لئے رہنا پڑا۔

یہاں ایک جسم میں دودل سے مراد ایک شخص کے ذریعہ دوبارہ متضاد کردار (بیوی سے ماں تک) تفویض کرنا ہے جس کا ارادہ عرب کے قبل از اسلام معاشرے میں طلاق لینے کا تھا۔ یہ خدائی فطرت کی مرضی کے قوانین کے خلاف ہے اور انسانی رشتوں کے دائرہ کار میں ایک ہی شخص کے بیوی سے ماں کی حیثیت سے منسوب ہونا غیر معقول اور اخلاقی طور پر قابل اعتراض ہے۔

ظہار کے گناہ کا کفارہ

جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے، اور بے شک انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات منہ سے نکالی ہے اور بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس کبھی ہوئی بات سے پھر ناچاہیں تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کر دیں، یہ اس لیے کہ اس سے تمہیں نصیحت ہو، اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔ پس جو شخص نہ پائے تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پس جو کوئی ایسا نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور منکروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ذلیل کیے گئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، اور ہم نے تو صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں اور منکروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ جس دن ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا پھر ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے، جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے اور وہ بھول گئے ہیں، اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔ (58:2-6)

وہ لوگ جو ابھی بھی ظہار کی قسم کھاتے ہیں وہ غلام کی آزادی یا خریداری کا پابند ہیں۔ وہ جس کو وہ راستہ نہیں ملتا اس جملے میں مالی وسائل کی کمی یا کسی اور کو تلاش کرنے کی ناممکنیت کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جسے حقائق یا علامتی غلامی سے چھڑایا جاسکتا ہے۔ ظہار کے اعلان کو طلاق سمجھا نہیں جانا چاہئے، جیسا کہ قبل از اسلام کے زمانے میں ہوا تھا، لیکن اس کو مکمل طور پر قابل مذمت سمجھا جانا چاہئے جس کے لئے قربانی کے ذریعہ کفارہ دیا جانا چاہئے۔

اسلام میں طلاق

اگرچہ اسلام نے شادی کے بندھن کو بہت حد تک سخت کر دیا، اس نے طلاق سے منع نہیں کیا، بلکہ اسے آخری حل کے طور پر ہی اجازت دی گئی ہے۔ پیغمبر ﷺ نے بار بار زور دے کر کہا کہ ازدواجی نذروں میں خلل آنے سے زیادہ خدا کو کچھ ناگوار نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا یہ قول

صحیح ہے کہ خدا کے نزدیک، چیزوں میں سے سب سے زیادہ نفرت شدہ چیز طلاق ہے۔ طلاق بمشکل ہی جائز ہے اور اس وقت تک اس کا سہارا نہیں لیا جانا چاہئے جب تک کہ یہ واضح نہ ہو جائے کہ شادی میں اب ناامیدی ہے، اور کچھ بھی اسے بچا نہیں سکتا ہے۔

از خود نکاح کی تنبیہ

اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا کہ وہ مانگ لیں، اللہ کا یہی حکم ہے، جو تمہارے لیے صادر فرمایا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کفار کے پاس نکل گئی ہے پھر تمہاری باری آجائے تو ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا، اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔ (60:10-11)

اگر مسلمانوں کی کافر بیویاں اپنے عقائد اور مذہبی رسومات کو ترک کرنے سے انکار کر دیں تو مسلمان شوہر کو نکاح کو کالعدم قرار دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صرف چھ ایسے ہی مقدمات پیش آئے (یہ سارے 6ھ میں فسخ مکہ سے پہلے کے ہیں)۔

خواتین کا حق عیب طلاق کا حق

اور تمہارے لیے اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں جو تم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت معاوضہ دے کر پیچھا چھڑا لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو، اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا سو وہی ظالم ہیں۔ (2:229)

یہ آیت شوہر کے بیوی کے طلاق لینے کے لئے بیوی کے غیر مشروط حق سے متعلق ہے۔ بیوی کے اقدام سے شادی کو اس طرح تحلیل کرنے کو خلع کہتے ہیں۔ کچھ انتہائی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ثابت بن قیس کی اہلیہ، جلیلہ رسول ﷺ کے پاس آئیں اور اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیں کیوں کہ ان کے عیب دار کردار کی وجہ سے وہ انہیں ناپسند کرتی تھیں۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اس باغ تبت کو واپس کر دیں جو ان کو حق مہر کے طور پر دیا تھا اور حکم دیا کہ شادی کو تحلیل کر دیا جائے۔ اسلامی قانون میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی بیوی کے شوہر کی طرف سے بغیر کسی جرم کے بیوی کے معاملے میں شادی کو تحلیل کر دیا جاتا ہے تو بیوی معاہدہ توڑنے والی پارٹی ہے اور شادی کے تحلیل ہونے کے بعد اسے لازمی طور پر حق مہر واپس کرنا ہوگا۔ اس صورت میں، ان دونوں میں سے کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر شوہر حق مہر واپس لے لے، جو بیوی اپنی مرضی سے ترک کرتی ہے۔

ثالثی یا شادی کی مشاورت

- اور اگر تمہیں کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا خطرہ ہو تو ایک منصف شخص کو مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف شخص کو عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے۔ (35-4)
- اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے لڑنے یا منہ پھیرنے سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح سمجھوتہ کر لیں، اور سمجھوتہ بہتر ہے، اور (انسان کے) نفس میں حرص تو ہوتی ہے، اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری کرو تو اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔ (128:4)

ایک بار جب شادی تنازعہ میں پڑ جاتی ہے تو پہلا قدم دونوں کنبہوں سے ثالث مقرر کرنا اور دونوں فریقوں میں صلح کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ کچھ جوڑے اس تنازعہ کو حل کرنے کے لئے آزاد از دواجی مشاورت حاصل کر سکتے ہیں۔

طلاق کے لئے دائر کرنا

طلاق دو مرتبہ ہے، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (2:229)

عارضی طلاق دوبار اعلان کی جاسکتی ہے، اور طلاق کا تیسرا اعلان اس کو حتمی اور اٹل قرار دیتا ہے۔ مذکورہ آیت میں مرد یا عورت کا تذکرہ نہیں ہے لہذا کسی بھی فریق کے لئے یکساں طور پر لاگو ہونا چاہئے۔ تاہم، حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہے۔ مرد زبانی طلاق دے سکتا ہے۔ بیوی کو اپنے شوہر کی طرح طلاق کا زبانی یا تحریری اعلان دینے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ اس کی رضامندی سے اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے یا حج کو درخواست کر سکتی ہے اور یہ ثابت کر سکتی ہے کہ اس کا شوہر از دواجی فرائض ادا نہیں کر رہا ہے۔ اگر وہ شوہر معاہدہ توڑنے والی پارٹی ہے تو وہ حق مہر رکھ سکتی ہے۔ جب اس کے شوہر کا کوئی قصور نہ ہو اور وہ جو حق مہر موصول ہوا اسے واپس کرنا ہو گا۔ طلاق کے بارے میں مذکورہ بالا قرآنی احکامات اس عدم مساوات کی تائید نہیں کرتے ہیں جو غالباً قبل از اسلام کے رواج کا ایک وثیق ہے جس کی پیروی آج تک کی جاتی ہے کیونکہ اس سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

تین ماہواری کے ایام کا دورانیہ

• اے نبی! ﷺ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، نہ تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں، (65:1)

• جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (2:226-227)

• اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روک رکھیں، اور ان کے لیے جائز نہیں کہ چھپائیں جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو لوٹالینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں، اور دستور کے مطابق ان کا ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر ہے، اور مردوں کو ان پر فضیلت دی گئی ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (2:228)

جوڑے کو لازمی طور پر چار ماہ کی مدت سے گزرنا چاہئے یا تین ماہواری کے برابر ہونا چاہئے۔ طلاق کی تیسری صیغہ رفعت کی مدت پوری ہونے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اوسط سائیکل اٹھائیس دن لمبا ہوتا ہے۔ تاہم، ایک چکر کی لمبائی اکیس دن سے لے کر پینتیس دن تک ہو سکتی ہے۔ انتظار کی مدت کا بنیادی مقصد ممکنہ حمل کی جانچ اور غیر پیدا ہونے والے بچے کا والدین ہونا ہے۔ (آج حمل کے لئے پیشاب کا ایک آسان ٹیسٹ کرایا جاسکتا ہے۔) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے ان کے فیصلے پر غور کرنے اور ممکنہ طور پر شادی دوبارہ شروع کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ رعایت کی مدت کے دوران، جوڑے ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں لیکن علیحدہ سوتے ہیں۔ شوہر اور بیوی کسی بھی وقت اپنے تعلقات کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے آزاد ہیں، اس طرح طلاق کا عارضی عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ازدواجی تعلقات کو دوبارہ شروع کرنے سے انکار کر دے یہاں تک کہ اگر شوہر عارضہ طلاق سے عارضی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی اس سے نجات دلانے پر رضامندی ظاہر کرتا ہے۔

چونکہ یہ شوہر ہے جو کنبہ کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہے، لہذا اس کے ساتھ عارضی طلاق باقی رہ جانے کا سب سے پہلا آپشن ہے۔

اور اپنی جماعت میں سے دو افراد [معلوم] گواہ بنائیں [جو آپ نے فیصلہ کیا ہے]، اور آپ خدا کے سامنے سچی گواہی دیں۔

دو افراد جو کیس کے حالات سے بخوبی واقف ہیں وہ گواہی دیں کہ عارضی طلاق یا حتمی طلاق کو ترک کرنے کا متعلقہ فیصلہ غیر سنجیدہ جذبے کے تحت نہیں کیا گیا ہے۔

انتظار کے دوران بیوی کے حقوق

اسے بے دخل مت کرو۔

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، نہ تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا، آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد اور کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (65:1)

بحالی کا ذمہ دار شوہر

طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنے مقدور کے موافق رہتے ہو اور انہیں ایذا نہ دو انہیں تنگ کرنے کے لئے۔ (65:6)

عدت کے دوران، شوہر اپنی شادی شدہ زندگی کے دوران منائے جانے والے معیار زندگی کے مطابق، اپنی بیوی کو برقرار رکھنے کا پوری طرح ذمہ دار ہے جس سے وہ طلاق لے رہا ہے۔ عورت کو گھر میں رہنے کا حق ہے، لہذا مرد کو اسے بے دخل نہیں کرنا چاہئے یا اسے اپنی مرضی کے خلاف رخصت نہیں کرنا چاہئے۔ اس خاص حکم سے طلاق یافتہ عورت کو اپنی مرضی سے گھر چھوڑنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اگر وہ غیر اخلاقی سلوک کی قصوروار ہو جاتی ہے تو اسے قانونی طور پر اپنے ازدواجی گھر سے باہر کیا جاسکتا ہے۔ طلاق حتمی ہو جانے سے قبل مفاہمت کے امکان اور ازدواجی تعلقات کی بحالی کے امکان کا ایک اشارہ ہے۔

حیض، غیر حیض یا حاملہ خواتین کے لئے انتظار کی مدت

اور تمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض کی امید نہیں رہی ہے اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض نہیں آیا، اور حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ جنمنے تک ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دیتا ہے اور اسے بڑا اجر بھی دیتا ہے۔ (5-4:65)

دایہ

طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنے مقدور کے موافق رہتے ہو اور انہیں ایذا نہ دو انہیں تنگ کرنے کے لیے، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو انہیں نان و نفقہ دو جب تک وہ وضع حمل کریں، پس اگر پلائیں دودھ تمہارے لیے تو ان کو ان کی اجرت دو، اور آپس میں دستور کے مطابق مشورہ کرلو، اور اگر تم آپس میں تنگی کرو تو اس کے لیے دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے، اور اگر تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اسے دے رکھا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا۔ (65:6-7)

انتظار کرنے کی کوئی مدت نہیں

اے ایمان والو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر دو پھر انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں چھوؤ تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے کہ تم ان کی گنتی پوری کرنے لگو، سو انہیں کچھ فائدہ دو اور انہیں اچھی طرح سے رخصت کر دو۔ (33:49)

حمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اگر شادی کو انجام نہیں دیا گیا ہے۔ طلاق شدہ بیوی کی طرف سے انتظار کی مدت بے معنی ہوگی اور نہ ہی اس سے اپنے سابقہ شوہر کو کوئی فائدہ ہوگا۔

جب حق مہر طے نہ ہو

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ انہیں ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر نہ کیا ہو، اور انہیں کچھ سامان دے دو وسعت والے پر اپنے قدر کے مطابق اور مفلس پر اپنے قدر کے مطابق سامان حسب دستور ہے، نیکو کاروں پر یہ حق ہے۔

جب حق مہر طے شدہ ہو

اور اگر تم انہیں طلاق دو اس سے پہلے کہ انہیں ہاتھ لگاؤ حالانکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو نصف اس کا (دے دو) جو تم نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو، کیوں کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ (2:236-237)

دلہا اور دلہن، شادی کے بندھنے کے اختتام سے پہلے، لازماً ایک حق مہر پر متفق ہو جائیں۔ اگرچہ اس حق مہر کی مقدار دونوں معاہدہ کرنے والی جماعتوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے (اور اس میں ایک تحفہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے)، اس کی شرط اسلامی شادی کے معاہدے کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اس اصول کے مستثنیات کے لئے، دیکھیں 33:50 :

طلاق کے بعد

عمدہ اطوار میں حصہ لینا

- اور جب عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں حسن سلوک سے روک لویا انہیں دستور کے مطابق چھوڑ دو، اور انہیں تکلیف دینے کے لیے نہ روکو تاکہ تم سختی کرو، اور جو ایسا کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا، اور اللہ کی آیتوں کا تمسخر نہ اڑاؤ، (2:231)
- پس جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں دستور سے رکھ لویا انہیں دستور سے چھوڑ دو اور دو معتبر آدمی اپنے میں سے گواہ کر لو اور اللہ کے لیے گواہی پوری دو، یہ نصیحت کی باتیں انہیں سمجھائی جاتی ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے۔ اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اس کو کافی ہے، بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک پیمائش مقرر کر دی ہے (3-2:65)
- اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے پروا کر دے گا، اور اللہ وسعت کرنے والا حکمت والا ہے۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (131-4:130)

نان نفقے کا حق

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے دستور کے موافق خرچ دینا، پرہیز گاروں پر یہ لازم ہے۔ (2:241)

اس کا تعلق ان خواتین سے ہے جو اپنی طرف سے بغیر کسی قانونی غلطی کے طلاق یافتہ ہیں۔ ایسے بے گناہ متاثرین کو تاحیات ناجائز زندگی کی سزا دی جانی چاہئے، جب تک کہ وہ خواتین کہیں اور دوبارہ شادی نہ کریں تب تک قابل ادائیگی ہو گئیں۔ شوہر کے مالی حالات اور اس وقت کے معاشرتی حالات پر انحصار کرنے کے بعد سے بھتہ خوری کی رقم کو غیر متعینہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب کوئی عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی غلطی سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے اس کا حق مہر واپس کرنا پڑتا ہے۔ تب یہ صرف اتنا ہی مناسب ہے کہ جب کوئی شخص طلاق کے لئے فائل کرے اور اس کی بیوی کا کوئی قصور نہ ہو، تو وہ اس کی ساری زندگی اس کے نان نفقے کا ذمہ دار بنے۔ اس سے کم عمر خواتین کے حق میں

مردوں کو بڑی عمر کی بیویوں سے طلاق دینے کی بھی حوصلہ شکنی ہوگی۔ پورے خیال میں مستحکم خاندانی اکائیوں کا ہونا ہے جو ایک مستحکم معاشرے کی تشکیل کا باعث بنے جو ذہنی اور جسمانی طور پر قابل بچوں کی حیثیت رکھتا ہے جو بڑوں کی حیثیت سے فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔

طلاق کے قوانین میں اصلاح کی ضرورت

قانونی تفاوت

بہت سے اسلامی ممالک میں مروجہ قانون ایک شخص کو اپنی بیوی کو یکطرفہ طور پر طلاق دینے کی اجازت دیتا ہے لیکن بیوی کو اپنے شوہر کی رضامندی پر یا عدالتی نظام کے ذریعے طلاق لینے کا محدود حق فراہم کرتا ہے۔ جب مردوں کو مطلق اختیارات دیئے جائیں گے، تو وہ انہیں خراب کر دے گا۔ آسان طلاق سے زیادہ خاندانی پھوٹ پڑیں گی۔ جب ریاستہائے متحدہ میں بغیر غلطی کے طلاق سے متعلق قوانین نافذ کیے گئے تو طلاق کی شرح میں ڈرامائی اضافہ ہوا۔ بغیر غلطی طلاق تب نہیں جب طلاق کے لئے داخل ہونے والی شریک حیات کو دوسرے شریک حیات کی طرف سے کوئی غلطی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

خاندانی عدالتوں کا کردار

- طلاق کی کارروائی کے لئے تمام فیصلے جج کی موجودگی میں مرد اور خواتین کو کرنے چاہئیں۔ قانونی تفریق جو صنف پر مبنی ہیں انصاف اور مساوات کے احساس کے منافی ہیں۔
- خاندانی عدالتوں کو یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ طلاق کو حتمی شکل دینے سے پہلے شادی کو بچانے کے لئے تمام راستے اختیار کرنے چاہئیں۔
- جج، اس سے قطع نظر کہ شوہر یا بیوی نے طلاق کے عمل کا آغاز کیا ہے، اسے صرف حتمی طلاق دینی چاہئے۔
- خاندانی عدالت کو یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ شادی کے دوران حاصل ہونے والے تمام اثاثوں کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔
- ترقی یافتہ معاشروں میں، رجحانات کی نگرانی کے لئے اعداد و شمار کے مقاصد کے لئے تمام شادیاں اور طلاقیں درج کی جاتی ہیں۔

(ملاحظہ کریں ضمیمہ 3، طلاق کے اثرات)

دوبارہ شادی اور بچوں کی تحویل کا معاملہ

سابق شریک حیات کے ساتھ دوبارہ شادی

پھر اگر اسے طلاق دے دی تو اس کے بعد اس کے لیے وہ حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر ان کا گمان غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں وہ انہیں کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ (2:230)

سابقہ میاں بیوی کے ساتھ دوبارہ شادی کرنا میں مشکل یہ ہے کہ جوڑے بار بار شادی اور طلاق نہ لیں اور نکاح کے مقدس رشتے کا مذاق نہ اڑائیں۔

سابقہ میاں بیوی کی نئی شادی میں رکاوٹ مت ڈالیں

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہو جائیں، تم میں سے یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزی اور بڑی صفائی کی بات ہے، اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (2:232)

بیواؤں کی دوبارہ شادی

اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیے، پھر جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں، اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبر دار ہے۔ اور تم پر اس میں گناہ نہیں ہے کہ ان عورتوں کو اشارہ سے پیغام نکاح دو اور یا تم اسے اپنے دل میں چھپاؤ، اللہ جانتا ہے کہ تمہیں ان عورتوں کا خیال پیدا ہو گا لیکن مخفی طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ قاعدہ کے مطابق کوئی بات کہو، اور جب تک معیاد نوشتہ پوری نہ ہو اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو، اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرتے رہو، اور جان لو اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔ (2:234-235)

اگر آپ کسی بیوہ یا طلاق یافتہ خاتون کو طے شدہ عدت کی مدت ختم ہونے سے قبل کسی شادی شدہ پیش کش کا اشارہ دیتے ہیں تو آپ کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

بچوں کی تحویل

اور آپس میں دستور کے مطابق مشورہ کرلو:

طلاق کے معاملات میں، خاندانی عدالت بچوں کی تحویل کے انتظامات بھی طے کرتی ہے۔ بچے کی تحویل میں دینے کا معیار وہی ہوتا ہے جو بچے کے بہترین مفاد میں ہوتا ہے۔

عارضی تحویل کسی فرد کو طلاق یا علیحدگی کی کارروائی کے دوران بچے کی تحویل میں دیتا ہے۔

مشترکہ تحویل: والدین بچے پر مشترکہ سرپرستی کر سکتے ہیں اور والدین کے حقوق برابر ہیں۔ مشترکہ تحویل والدین کو بچے کی پرورش کے بارے میں فیصلے کرنے میں مساوی حقوق دیتی ہے۔

خصوصی تحویل

اگر والدین میں سے کوئی ایک تحویل کے لئے مقدمہ دائر کرتا ہے تو، قانونی چارہ جوئی کرنے والے والدین کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مشترکہ تحویل بچے کے بہترین مفاد میں نہیں ہے۔ متعدد والدین بچے کی تعلیم، مذہبی پرورش اور صحت کی دیکھ بھال کے بارے میں فیصلوں پر قابو رکھتے ہیں۔ جب عدالت ایک والدین کو خصوصی طور پر بچوں کی تحویل دیتی ہے تو، غیر منحصر والدین عام حالات میں بچے کو دیکھنے اور ملنے کا حق رکھتے ہیں۔ عدالتیں ملنے کے حقوق سے بھی منع کر سکتی ہیں اگر ماضی میں غیر تحویل شدہ والدین میں سے کسی نے بچے کو جسمانی یا جذباتی طور پر زیادتی کا نشانہ بنایا ہے یا اگر انہیں کوئی ذہنی بیماری ہے کہ وہ جذباتی طور پر بچے کو تباہ کر دے گی۔

تیسرا فریق

اگر کسی تیسرے فریق نے تحویل کا مطالبہ کیا ہے تو عدالت کسی بچے کی تحویل کسی تیسرے فریق کو دے سکتی ہے۔ تیسرا فریق اکثر دادا یا کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔

رضاعی ماں کو تحویل

اور ماں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے ہے جو دودھ کی مدت کو پورا کرنا چاہے، اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے، کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی طاقت ہو، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے، اور وارث پر بھی ویسا ہی نان نفقہ ہے، پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم دے دو جو دستور کے مطابق تم نے دینا ٹھہرایا ہے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ جو تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔ (2:233)

اگر بچے کو رضاعی والدہ کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے، تو باپ کو رضا کارانہ اجرت منصفانہ انداز میں رضاعی والدہ کو ادا کرنا ہوگی۔

رسول اکرم ﷺ کی بیویاں

حضرت محمد ﷺ کی حیرت انگیز بیویوں نے مغرب میں بہت ساری دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔ پھر بھی، یہ تصور کرنا غلط ہو گا کہ پیغمبر ﷺ نے جسمانی خوشی کے لئے شادیاں کیں، جیسے بعد کے کچھ اسلامی حکمرانوں نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ حکومت اور سلامتی کے معاملات میں گزارا۔ انہوں نے بیشتر لڑائیوں میں حصہ لیا۔ زیادہ تر راتیں، انہوں نے تہجد کی نمازوں اور دعاؤں میں گزاریں۔ وہ اکثر دن میں روزہ رکھتے تھے۔ اجتماعی عیش و آرام کے لئے بہت کم وقت تھا۔ بعد کی تمام بیویوں میں سے، ان کا صرف ماریہ رضی اللہ عنہا میں سے بیٹا تھا۔

نبی ﷺ کی دو بیویاں، جنہوں نے ان کی زندگی میں نمایاں کردار ادا کیا، وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ قرآن کریم کی سورہ احزاب میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک اور اہلیہ، زینب کا خاص تذکرہ ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پسند کی شادی

پیغمبر اکرم ﷺ کی پہلی اہلیہ، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کے مقصد کی حمایت میں اہم کردار ادا کیا۔ تھامس کارلائل کے الفاظ میں: وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیسے رہے، جو ایک امیر بیوہ تھیں، ان کا ملازم تھا، اور انہوں نے اپنے کاروبار میں شام کا میلوں تک کا سفر کیا۔ انہوں نے سب انتظام کیسے کیا، جیسا کہ کوئی اچھی طرح سے، مخلصانہ طور پر اور اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح ان کے دل میں ان کے لئے ان کا احترام بڑھتا گیا: ان کی شادی کی داستان پوری طرح سے ایک مکرم قابل فہم ہے، جیسا کہ ہمیں عرب مصنفین نے بتایا ہے۔ نبی ﷺ پچیس سال کے تھے اور وہ چالیس سال کی تھیں، مگر ابھی تک خوبصورت تھیں۔

خدیجہ کو محمد ﷺ سے پیار ہو گیا، اور انہوں نے اپنی ایک دوست نفیسہ کا مشورہ لیا۔ نفیسہ محمد ﷺ کے پاس آئی اور ان سے پوچھا کہ انہوں نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟

انہوں نے جواب دیا، میرے پاس شادی کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

انہوں نے کہا، لیکن اگر آپ کو اسباب عطا کر دیئے جاتے، اور اگر آپ کو کسی ایسے بندھن کی طرف دعوت دی جاتی جہاں خوبصورتی، دولت، شرافت، اور کثرت ہوتی ہے تو کیا آپ رضامندی نہیں کریں گے؟

وہ کون ہے؟ انہوں نے جوش و خروش سے استفسار کیا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا، نفیسہ نے کہا۔

اور ان کی شادی ایسے میرے ساتھ کیسے ہو سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا

یہ مجھ پر چھوڑ دیں! نفیسہ نے کہا۔

محمد ﷺ نے کہا، میں اپنی طرف سے تیار ہوں۔

یہ محمد ﷺ کے ساتھ بھی محبت کی شادی تھی، اور جب تک خدیجہ رضی اللہ عنہما زندہ رہے ان کی کوئی دوسری بیوی نہیں تھیں۔

کارلائل نے لکھا: ایسا لگتا ہے کہ وہ اس شادی شدہ زندگی میں فائدہ اٹھانے کے ساتھ انتہائی پیار، پر امن، پُر خلوص انداز میں زندگی گزار رہے تھے۔ اسے واقعتاً پیار کرنا، اور صرف ان سے۔ اس وقت تک، وہ اس مکمل طور پر ناقابل تصور، مکمل طور پر پرسکون اور عام طور پر رہتے تھے۔ اس کی تمام تر بے ضابطگیاں اس کے پچاسواں سال کے بعد کی ہیں، جب خدیجہ رضی اللہ عنہما کا انتقال ہو گیا۔

بظاہر ان کی ساری خواہشات ایماندارانہ زندگی گزارنے کے لئے رہی تھی۔ ان کی شہرت، پڑوسیوں کی محض اچھی رائے جو اسے جانتے تھے، اب تک کافی تھے۔ اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ پہلے سے بزرگ ہو چکے تھے، ان کی زندگی کی سحر انگیز گرمی ختم ہو گئی، اور اس دنیا کو ملنے والی سب سے بڑی چیز امن کی حیثیت سے بڑھتی جا رہی تھی، کیا انہوں نے اپنے عالی نظر مستقبل کا آغاز کیا تھا، اور انہوں نے اپنے تمام ماضی کے کردار کو ثابت کیا تھا اور انہوں نے ایسا کچھ عارضی حاصل نہیں کیا تھا جس سے وہ وقتی طور پر لطف اندوز ہو سکتے! میرے حصے کا، مجھے اس میں کچھ بھی نہیں چاہئے۔ وہ پچیس سال تک خدیجہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ سچے اور وفادار رہے یہاں تک کہ وہ پچاس سال سے زیادہ عمر کے تھے اور خدیجہ رضی اللہ عنہما ساٹھ سال سے زیادہ عمر میں تھیں، جب ان کا سن 619 عیسوی میں انتقال ہوا۔

کافی عرصہ بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما، ان کی پسندیدہ نوجوان بیوی، جو کہ ایک ایسی عورت تھیں جنہوں نے اپنی طویل زندگی کے دوران ہر طرح کی عمدہ خصوصیات سے خود کو ممتاز کیا، انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا، اب میں خدیجہ سے بہتر نہیں ہوں؟ وہ بیوہ، بوڑھی اور اپنی نظر کھو چکی تھیں: آپ مجھے ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں؟ نہیں، اللہ کی قسم! حضور محمد ﷺ نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! وہ مجھ پر تب ایمان لائیں جب کوئی دوسرا نہیں تھا۔ پوری دنیا میں، میرے پاس صرف ایک دوست تھا اور وہی تھیں!۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے ایک بار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا، میں نے کبھی بھی کسی عورت سے اتنا حسد نہیں کیا تھا جتنا میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہما سے کیا تھا، حالانکہ نبی ﷺ کی مجھ سے شادی کرنے سے تین سال قبل ہی ان کی وفات ہوئی تھی، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے رب نے انہیں خوشخبری سنانے کا حکم دیا تھا کہ ان کی جگہ جنت میں ہوگی۔

عائشہ رضی اللہ عنہما

سن 622 عیسوی میں، پیغمبر ﷺ مکہ سے ایک نیا نظریاتی بنیاد پر قائم معاشرہ تشکیل دینے کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ وہ اپنے کچھ قریبی ساتھیوں کے ساتھ شادی کر کے جڑنے کے خواہشمند تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے مدینہ منورہ جانے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہما سے شادی کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما، ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، جو اپنی وفات کے بعد نبی ﷺ کی جانشین ہوئے۔ اس پر تنازعہ موجود ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی عمر کتنی تھی۔ وہ چھ سے نو سال کی عمر کے درمیان تھیں۔ یہ معلومات صرف

ایک حدیث پر مبنی ہیں۔ حالات و واقعات اور ثبوت ان کی شادی کے وقت ان کی کم عمری کے بارے میں عام طور پر رکھے جانے والے نظریہ کی حمایت نہیں کرتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگ بدر (624) اور جنگ احد (625) میں حصہ لیا۔ اگر عائشہ کی عمر 622 میں نو سال تھی تو وہ گیارہ سال کی تھیں جب جنگ بدر کا مقابلہ ہوا۔

عرب خواتین نے معمول کے مطابق لڑائیوں میں حصہ لیا، اور ان کے فرائض مردہ اور زخمیوں کو اٹھانے کے تھے، اپنے زخموں کا علاج کرنا، بکریوں کی کھالوں میں پانی لانا، گولہ بارود کی فراہمی، اور یہاں تک کہ تلوار بھی اٹھانا۔ کسی گیارہ سالہ بچے سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ میدان جنگ میں جان لیوا خطرے کی صورت میں اس طرح کے مشکل کام انجام دیں گے جہاں ہاتھوں سے لڑنے کا کام جاری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت، بہت سی دوسری خبروں میں عائشہ کی عمر پندرہ سے انیس سال تک موجود ہے۔ مریم فرانسوا ائس سیرہ کا اگلا مضمون برطانوی اخبار دی گارڈین میں 17 ستمبر 2012 کو شائع ہوا تھا۔

قرآن کہتا ہے کہ نکاح صرف بالغ افراد کی رضامندی کے درمیان ہی درست ہے اور یہ کہ عورت کو اپنے شریک حیات کا انتخاب کرنے کا حق ہے۔ مشرقی عالم دین، ڈیلیو موننگمری واٹ نے، اسلام کے پیغمبر، حضرت محمد ﷺ کے بارے میں لکھا ہے: دنیا کے تمام بڑے انسانوں میں سے، حضرت محمد ﷺ سے زیادہ کسی کو بدنام نہیں کیا گیا۔ ان کا یہ بیان اسلاموفوبک فلم انوسینس آف مسلمانوں کی روشنی میں اور زیادہ پر جوش معلوم ہوتا ہے، جس نے یمن سے لیبیا تک ہنگامہ برپا کیا ہے اور جس میں دیگر الزامات کی طرح، محمد ﷺ کو پیڈوفائل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ اسلام کے ناقدین کے درمیان بار بار چلتا ہے لہذا اس کی بنیاد بریکی سے جانچ پڑتال کی مستحق ہے۔ ناقدین نے الزام عائد کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا محض چھ سال کی تھی جب ان کی شادی پچاس سال کی عمر میں حضرت محمد ﷺ سے ہوئی تھی، اور صرف نو سال تھی جب شادی ہوئی تھی۔ انہوں نے یہ بات خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ایک قول پر مبنی ہے (صحیح البخاری جلد 5، کتاب 58، حدیث نمبر 234) اور اس مسئلے پر بحث اس حقیقت کی وجہ سے مزید پیچیدہ ہے کہ کچھ مسلمان اس کو تاریخی اعتبار سے درست محاسبہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر مسلمان اپنی نو سالہ بیٹیوں سے نکاح کرنے پر غور نہیں کریں گے، لیکن جو لوگ اس قول کو قبول کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ چونکہ قرآن مجید کے مطابق یہ شادی باطل ہے جب تک کہ بالغوں کی رضامندی سے اس کو داخل نہیں کیا جاتا، لہذا عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلد ہی بلوغت میں داخل ہونا چاہئے۔ انہوں نے بتایا کہ ساتویں صدی کے عرب میں جوانی کو بلوغت کے آغاز سے تعبیر کیا گیا تھا۔ (یہ بات حقیقت میں ہے اور یورپ میں بھی یہی تھی: محمد ﷺ کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے پانچ صدیوں بعد، انگلینڈ کے 33 سالہ شاہ جان نے فرانس کے انگویم کے 12 سالہ اسیلا سے شادی کی۔) دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی بہت سی تنقیدیں محمد ﷺ، جو اس وقت اپنے مخالفین کے ذریعہ بنایا گیا تھا، کسی نے بھی شادی میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر توجہ نہیں دی۔ اس نقطہ نظر کے مطابق، عائشہ رضی اللہ عنہا جوان ہو سکتی تھیں، لیکن وہ اس وقت کے معمول سے چھوٹی نہیں تھیں۔

دوسرے مسلمان اس خیال پر شک کرتے ہیں کہ شادی کے وقت عائشہ چھ سال کی تھیں، ان مورخین کا حوالہ دیتے ہوئے جنہوں نے کہا ہے کہ عائشہ کی عمر کی ساکھ پر سوال اٹھائے گئے ہیں۔ ایسے معاشرے میں جہاں پیدائش کی رجسٹری نہ ہو اور جہاں لوگ سالگرہ نہیں مناتے تھے، زیادہ تر لوگوں نے اپنی عمر اور دوسروں کی عمر کا اندازہ لگایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے مختلف نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ، عائشہ رضی اللہ عنہا نے محمد سے شادی کرنے سے پہلے کسی اور سے منگنی کر لی تھی، اس سے یہ تجویز کیا گیا تھا کہ وہ معاشرے کے معیار کے مطابق شادی پر غور کرنے کے لئے کافی پختہ ہو چکی تھیں۔ اس طرح یہ تسلیم کرنا مشکل لگتا ہے۔

نیز، کچھ جدید مسلم اسکالرز نے حال ہی میں ان اقوال کی صداقت پر شک کیا ہے، یا حدیث، حضرت عائشہ کی جوانی کی بات پر زور دیتے ہیں۔ اسلام میں، حدیث ادب (نبی ﷺ کے اقوال) کو قرآن کریم کا ثانوی خیال مانا جاتا ہے۔ اگرچہ قرآن کو خدا کا زبانی کلمہ سمجھا جاتا ہے، لیکن احادیث کو وقت کے ساتھ ساتھ سخت لیکن ناقابل عمل طریقہ کار کے ذریعہ منتقل کیا گیا تھا۔ شادی کے وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے تمام معروف اکاؤنٹس اور ریکارڈ لینا، ان کی عمر کا تخمینہ نو سے انیس تک ہے۔ اس کی وجہ سے، یہ جاننا ممکن ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کتنی تھی۔ ہم کیا جانتے ہیں کہ شادی کے بارے میں قرآن کا کیا کہنا ہے: یہ صرف بالغوں کی رضامندی کے درمیان ہی جائز ہے اور یہ کہ عورت کو اپنے شریک حیات کا انتخاب کرنے کا حق ہے۔ اسلام کے زندہ مجسم کی حیثیت سے، محمد ﷺ کے اعمال شادی سے متعلق قرآن کی تعلیمات کی عکاسی کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کچھ مسلم حکومتوں اور افراد کے اعمال بھی اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

بہت سے ممالک میں، چھوٹی لڑکیوں کی شادی کی ترغیب دینے والے معاشی طور پر مضبوط ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، وہ سیاسی ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران اور سعودی عرب دونوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سے متعلق اس ضوابط کو نکاح کی قانونی عمر کو کم کرنے کے جواز کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، ہمیں ان حکومتوں کی سرپرستی اور جابرانہ نوعیت کے بارے میں ایک بہت بڑی بات بتاتی ہے اور محمد ﷺ یا اسلام کی اس کی بنیادی نوعیت کے بارے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو لوگ ان حقیقت پسندانہ تشریحات کو اسلام کے بارے میں اپنے متنازعہ نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے نقصان دیتے ہیں ان کی طاقت ان مسلمانوں کی مدد نہیں کرتی ہے جو ان بدعنوانیوں کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے محمد ﷺ کی شادی کا اسلامو فوبک نقشہ غلط خواہشات سے متاثر ہو کر محمد ﷺ کو ایک مخیر کی حیثیت سے وسیع پیمانے پر اور اینٹلسٹ عکاسی کے ساتھ موزوں کرتا ہے۔ یہ خیال صلیبی جنگوں کا ہے۔ تعلیمی کیسیا علی کے مطابق: ہوس اور جذباتیت کے الزامات پیغمبر ﷺ کے کردار پر قرون وسطی کے حملوں اور اسلام کی صداقت پر توسیع کی ایک باقاعدہ خصوصیت تھے۔

چونکہ ابتدائی عیسائیوں نے مسیحؑ کو برہم و فضیلت کا نمونہ قرار دیا تھا، لہذا محمد ﷺ جنہوں نے کئی بار شادی کی تھی - انہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ گناہ کی ہوس سے متاثر ہوئے تھے (نعوذ باللہ)۔ اس تصویر میں اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی سے قبل، محمد ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی، جو ایک طاقتور کاروباری عورت تھی، جو کہ ان سے 15 سال بڑی تھیں۔ جب ان کی

وفات ہوئی تو وہ پریشان تھے اور دوستوں نے انہیں دوبارہ شادی کرنے کی ترغیب دی۔ ایک خاتون جاننے والے نے مشورہ دیا کہ انہیں ایک روشن اور شاندار کردار کی حامل عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنی چاہئے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بندھن نے ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ محمد ﷺ کی دیرینہ دوستی کا بھی ثبوت دیا ہو گا۔ جیسا کہ عرب میں رواج تھا (اور آج بھی دنیا کے کچھ حصوں میں ہے)، شادی عام طور پر ایک معاشرتی اور سیاسی کام کرتی تھی۔ قبائل کو متحد کرنے، جھگڑوں کو حل کرنے، بیواؤں اور یتیموں کی دیکھ بھال کرنے اور عام طور پر حدود میں تقویت کو مضبوط بنانے کا مستحکم اور سیاسی ماحول بدل رہا تھا۔ محمد ﷺ کی شادی شدہ خواتین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب بیوہ تھیں۔ نبی ﷺ کی شادیوں کو ان حساب سے ہٹ کر سمجھنا گہری حد تک تاریخی ہے۔

ان ریکارڈوں پر جو بات واضح ہے وہ یہ ہے کہ محمد ﷺ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین ایک محبت اور مساوات کا رشتہ تھا، جس نے قرآن مجید کے ذریعہ باہمت، نرمی اور احترام کا معیار طے کیا۔ ان کے رشتے کے بارے میں بصیرت، جیسے حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ہی کپ میں پینا ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرنا پسند کرتے ہیں، یہ اس گہرے تعلق کی نشاندہی کرتا ہے جو ان کے رشتے کے بارے کسی غلط بیانی کو ظاہر کرتا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی مظلوم کی حیثیت سے رنگ لینا ان کی شخصیت سے متصادم ہے۔ وہ یقینی طور پر کوئی خاموش طبیعت نہیں تھیں۔ مسلم تاریخ کی ایک متنازعہ جنگ میں اونٹوں کی لڑائی کے دوران، وہ فوجیوں کی رہنمائی کرنے کے لئے ایک اونٹ پر سوار ہو کر آگے بڑھیں۔ وہ اپنے پر جوش مزاج اور طنز و مزاح کے لئے جانی جاتی تھیں۔ حضرت محمد ﷺ بعض اوقات ان کے مزاح کی زد میں ہوتے تھے۔ اپنی زندگی کے دوران، انہوں نے مسلمانوں کو حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں صلاح مشورے دیے۔ ان کی وفات کے بعد، وہ اپنے دور کی سب سے عالم اور ممتاز اسکالر بن گئیں۔

ایک ریاستی خاتون، اسکالر، مفتی، اور جج، عائشہ رضی اللہ عنہا نے روحانیت، سرگرمی اور علم کو یکجا کیا، اور آج بھی بہت سی مسلم خواتین کے لئے ایک رول ماڈل بنی ہوئی ہے۔ ان کی حقیقی میراث اور اسلامو فوبک مواد میں ان کی عکاسی کے مابین خلیج محض تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ یہ ایک سرخیل عورت کی توہین ہے۔

جو لوگ نوجوان لڑکیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا جواز پیش کرنے کے لئے اس کی کہانی میں ہیرا پھیری کرتے ہیں، اور جو لوگ اس طرح کی زیادتی کو جائز قرار دیتے ہوئے ایک مذہب کے طور پر اسلام کو پیش کرنے کے لئے جوڑ توڑ کرتے ہیں ان کے خیال میں اس سے کہیں زیادہ مشترک ہے۔ دونوں اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ ہم اس دور کے بارے میں جانتے ہیں جن میں محمد ﷺ رہتے تھے، اور خواتین کی خود مختاری کی توثیق کے لئے، جس کی کہانی ان کی مثال پیش کرتی ہے۔

اسلام میں تعاون

عائشہ رضی اللہ عنہا کا اعلیٰ شوق اور اسلام میں عظیم شراکت کی وجہ سے ان کے شوہر اور مسلم کمیونٹی نے ان کا بہت احترام کیا۔ نبی ﷺ کے اقوال و روایات کا ایک بڑا حصہ ان کے پہلے بیان اور تشریحات سے ریکارڈ کیا گیا تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اڑتالیس سال زندہ رہی اور بعد کی نسلوں کو تعلیم دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

زید رضی اللہ عنہ اور زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان شادی

محمد ﷺ کی رسالت کی دعوت سے کئی سال قبل، ان کی اہلیہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو عرب کے قبیلے بنو کلب کا ایک نوجوان غلام حضرت زید بن حارثہ پیش کیے۔ متعدد قبائلی جنگوں میں سے ایک میں انہیں بچپن میں ہی اسیر کر لیا گیا اور پھر انہیں مکہ میں غلامی میں فروخت کر دیا گیا۔ جیسے ہی وہ اس لڑکے کے مالک بنے، نبی ﷺ نے انہوں نے آزاد کیا اور کچھ ہی دیر میں ان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں زید رضی اللہ عنہ پہلوں میں شامل تھے۔ برسوں بعد، غلاموں کے خلاف قدیم عربی تعصب کو توڑنے کی خواہش اور آزاد ہونے والی عورت سے آزاد ہونے والے مرد سے متعلق احکامات سے متاثر ہو کر پیغمبر ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو زینب بنت جہش سے شادی پر راضی کیا۔ وہ بن بتائے، بچپن سے ہی محمد ﷺ سے محبت کرتی تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہ اور ان کے لواحقین نے نبی ﷺ کے قریش خاندان کے اعلیٰ نسب کی بنا پر اس شادی کی تجویز کو مسترد کر دیا۔

پیغمبر کے اصرار پر، وہ نبی ﷺ کے اختیار کے احترام میں، بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ مجوزہ شادی پر رضامند ہو گئیں۔ زید رضی اللہ عنہ بھی اس بندھن میں قطعاً گہری دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے پہلے ہی خوشی خوشی ایک اور آزاد غلام، ام ایمن سے شادی کر لی تھی، جو اس کے بیٹے اسامہ کی والدہ تھی۔ یہ تعجب کی بات نہیں تھی کہ اس شادی سے زینب یازید دونوں میں خوشی نہیں آئی۔

محمد ﷺ اور زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان شادی

طلاق کے فوراً بعد، پیغمبر نے تین وجوہات کی بنا پر زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ (1) ان کی ماضی کی خوشی لوٹاتے ہوئے اسے اپنی اخلاقی فرض سمجھتے ہوئے۔ (2) یہ ظاہر کرنا کہ سابقہ غلام کی طلاق شدہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی اور اس طرح مومنوں کی ماں بننے کے لائق تھیں۔ (3) یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ گود لینے والا رشتہ اس کے ساتھ شادی بیاہ میں کوئی پابندی نہیں رکھتا، خدائی مقصد یہ ہے کہ وہ اسے اپنے گود لینے والے بیٹے کی سابقہ بیوی سے نکاح کر دے۔ کافر عربوں کے خیال کے برخلاف، شادی پر پابندی صرف حیاتیاتی والدین اور بچوں کے تعلقات پر لاگو ہوتی ہے۔ انہوں نے دینی قانون کے ایک نقطہ کی مثال کے ساتھ نبی ﷺ کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہوئے اس کی تکمیل کے لئے زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔

خود بنائے بمقابلہ خون کے رشتے

اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارے منہ کی بات ہے، اور اللہ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ انہیں ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارو اللہ کے ہاں یہی پورا انصاف ہے، سو اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اور تمہیں اس میں بھول چوک ہو جائے تو تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن وہ جو تم دل کے ارادہ سے کرو، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (4:33)

(5)

یہاں یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں جو تم کہتے ہو، انسانی تعلقات کی حقیقت کے مطابق نہیں ہیں۔ حیاتیاتی بیٹوں پر بھی نکاح کی پابندیاں اور اسی طرح بیٹیوں پر بھی۔ والدین اور بچے کا حیاتیاتی رشتہ تمام انسان دوست معاشرتی تعلقات سے ممتاز ہے جیسے شوہر اور بیوی، یار ضاعی والدین اور گود لینے والے بچے کی طرح۔ گود لینے والے بچوں کو ان کے والد کے نام سے پکار کر، آپ یہ واضح کر دیتے ہیں کہ آپ کا رشتہ ایک گود لینے والا ہے اور یہ تاثر پیدا نہیں کرنا کہ وہ آپ کے حیاتیاتی بچے ہیں، اس طرح ان کی اصل شناخت کو محفوظ بنائیں۔ تاہم، بچے کے والدین سے منسوب ہونے میں غلطی کرتے ہوئے، یا اس کو یا اس کو میرے بیٹے یا میری بیٹی کہہ کر، آپ کو کوئی خطا نہیں ہوتا ہے۔

خدائی سرزنش

اور جب تو نے اس شخص سے کہا جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں ایک چیز چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا، حالانکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تو اس سے ڈرے، پھر جب زید اس سے حاجت پوری کر چکا تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی گناہ نہ ہو جب کہ وہ ان سے حاجت پوری کر لیں، اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔ (37:33)

مذکورہ بالا حصے سے مراد زید ابن حارثہ ہیں، جن پر خدا نے ابتدائی مومنین میں شامل ہونے کا احسان کیا تھا اور جن کو نبی ﷺ نے بیٹے کی حیثیت سے اپنا کر اپنا احسان کیا تھا۔ نبی ﷺ کو تشویش تھی کہ اس شادی کے ٹوٹ جانے سے ان کے نقادوں پر ان کے فیصلے پر سوال اٹھنے کا موقع ملے گا، چونکہ پیغمبر ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ اور زینب رضی اللہ عنہما کے درمیان شادی کروائی تھی، اور انہوں نے اس کی اتنی سختی سے تاکید کی تھی۔ متعدد مواقع پر، زید رضی اللہ عنہ اپنی نئی بیوی سے طلاق لینے ہی والے تھے، جس نے زید سے ناپسندیدگی کی کوئی خاص وجہ نہ بتائی تھی۔ ہر بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبر سے استقامت کے لئے راضی کیا اور کہا کہ علیحدگی نہ کریں۔ آخر میں، شادی چل نہ سکی اور زید رضی اللہ عنہ نے 5 ہجری میں زینب رضی اللہ عنہما کو طلاق دے دی۔ مذکورہ آیت سے مراد ہے کیوں کہ آپ لوگوں کو [کیا]

سوچ سکتے ہیں کہ خوف سے کھڑے تھے۔ حالانکہ یہ تنہا خدا ہی تھا جس سے آپ کو خوف تھا۔ اور [اس طرح] کیا آپ اپنے اندر کوئی ایسی چیز چھپائیں گے جس کو خدا نے منظر عام پر آنے والا ہے کہ زینب کو نبی ﷺ سے شادی کرنی چاہئے۔ اس خدائی سرزنش کا حوالہ دیتے ہوئے (جو اس الزام کو مسترد کرتا ہے کہ قرآن کو محمد ﷺ نے بنایا ہے)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معتبر طور پر نقل کیا ہے کہ، اگر خدا کا رسول اس پر وحی کی گئی کسی چیز کو چھپانے پہ قادر ہوتا تو وہ ضرور اس آیت کو دبا لیتے۔

نبی پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے، جیسا کہ اللہ کا پہلے لوگوں میں دستور تھا، اور اللہ کا کام اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے۔ جو لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔ (33:38-39)

تمام انبیاء اپنی مرضی کے مطابق، خدا کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو، تقدیر مطلق کے طور پر خود کے اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

رسول ﷺ کی دوسری بیویاں

نبی ﷺ کی زیادہ تر بیویاں بیوہ تھیں یا طلاق یافتہ تھیں اور انہیں مدد کی ضرورت تھی۔ ان میں سے کچھ خواتین کا تعلق دوسرے قبیلوں کے سرداروں سے تھا جو ان کے حلیف بن گئے۔ انہوں نے بین قبائلی، نسلی اور باہمی شادیوں کی راہ میں رکاوٹ بھی توڑ دی۔ محمد ﷺ کی دو یہودی بیویاں تھیں، ایک عیسائی، اور ایک کالی عورت ان کی بیوی تھیں۔ محرکات سے قطع نظر، نبی اکرم ﷺ کی شادیوں کی یہ حقیقت واضح نہیں کرنی چاہئے کہ وہ اپنی بیویوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوئے۔ اس سے انکار کرنا شادی اور جنسیت کے اسلامی نقطہ نظر کے منافی ہے، جو کنبہ کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور جنسی تعلقات کو شادی کے بندھن میں لطف اندوز ہونے کے لئے خدا کی طرف سے ایک تحفہ کے طور پر دیکھتا ہے۔

معیار زندگی

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک بختوں کے لیے بڑا اجر تیار کیا ہے۔ (33:28-29)

اس وحی کے فوراً بعد، نبی ﷺ نے اپنی بیویوں کو مندرجہ بالا دو آیات سنائیں۔ ہر ایک نے زبردستی سے علیحدگی کے تمام افکار کو مسترد کر دیا، اور اعلان کیا کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول اور آخرت کی بھلائی کا انتخاب کیا ہے۔

مذکورہ آیات کے نازل ہونے تک، مسلمانوں نے خیبر کے بھرپور زرعی خطے پر فتح حاصل کر لی تھی، اور یہ جماعت مزید خوشحال ہو گئی تھی۔ لیکن جب اس کے بیشتر ممبروں کے لئے زندگی آسان تر ہوتی جا رہی تھی، لیکن یہ آسانی نبی کریم ﷺ کے گھرانے میں بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی، جو خود کو اور اپنے اہل و عیال کو صرف معمولی زندگی گزارنے کے لئے کم سے کم ضروری اجازت دیتے رہے۔ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر، یہ قدرتی بات نہیں تھی کہ ان کی بیویاں ان آسائشوں میں حصہ لینے کی آرزو میں تھیں جو اب دوسری مسلمان خواتین لطف اندوز ہو سکتی ہیں۔ محمد ﷺ کے ذریعہ ان کی مانگ کو قبول کرنا ان کے تاحیات اصول سے متصادم ہو گا کہ خدا کے رسول اور اس کے اہل خانہ کا معیار زندگی مومنوں کے غریب ترین لوگوں سے نہیں ہونا چاہئے۔ یہ رضا کارانہ غربت تھی کیونکہ اس سلسلے میں قرآنی احکامات نہیں ہیں۔ جب ان کی بیویاں پیسوں پر بحث کر رہی تھیں، پیغمبر ﷺ نے دھمکی دی کہ ان سب کو طلاق دے دیں جب تک کہ وہ زیادہ مبہوت طریقے سے زندگی بسر نہ کریں۔

نبی ﷺ کی بیویوں کے لئے اخلاقی معیار

گناہوں کی دوہری سزا

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بدکاری کرے تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا، اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

نیک کاموں کے لئے دوہرا انعام

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اسے اس کا دہرا اجر دیں گے، اور ہم نے اس کے لیے عزت کا رزق بھی تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو۔

بات چیت میں ضرورت سے زیادہ نرم نہ ہوں

اور دبی زبان سے بات نہ کہو کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور بات معقول کہو۔

اپنے بناؤ سنگھار کو ختم کریں

اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور گزشتہ زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اس گھروالو تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے۔ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتیں ہیں انہیں یاد رکھو، بے شک اللہ رازدان خبردار ہے۔ (34-33)

اصطلاح جاہلیہ محمد ﷺ کی آمد سے قبل اسلام سے پہلے کی اخلاقی لاعلمی کے دور کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس اصطلاح میں اخلاقی لاعلمی یا بے ہوشی کی حالت کو اپنے عمومی معنوں میں بیان کیا جاتا ہے، قطع نظر وقت اور معاشرتی ماحول سے۔ (یہ بھی دیکھیں 5:50 -)

صرف نبی ﷺ کی بیویوں کے لئے حجاب

اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے، اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (33:53-55)

ازدواجی قوانین رسول ﷺ کے لئے خصوصی

ذیل میں گفتگو ازدواجی قوانین کی وضاحت کرتی ہے جو صرف نبی ﷺ پر لاگو ہوتے ہیں نہ کہ دوسرے مومنوں پر۔

کزنز سے شادی جو آپ کے ساتھ ہجرت کر گئے

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کے خالوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (33:50)

تمام مسلمان اپنے کسی بھی والد یا ماموں زاد بھائی سے شادی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ پیغمبر ﷺ کو صرف ان لوگوں سے شادی کی اجازت دی گئی تھی جنہوں نے مکہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے (ہجرت) اپنے خروج کے وقت اس کے ساتھ اسلام کے ساتھ اپنی مضبوط اور ابتدائی منسلکیت ثابت کی تھی۔

عربی کے قدیم استعمال کے مطابق، آپ کے پھوپھی اور خالہ کی بہنوں کی اصطلاح میں نہ صرف پھوپھی زاد بھائی بلکہ قریش قبیلے کی تمام خواتین شامل ہیں، جن سے محمد ﷺ کے والد کا تعلق تھا۔

اصطلاح آپ کے ماموں اور چچیوں کی بیٹیاں ان کی والدہ کے قبیلے کی تمام خواتین بنو نظہرہ پر مشتمل ہیں۔

جہیز سے چھوٹ

اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہے، یہ خالص آپ کے لیے ہے نہ کہ اور مسلمانوں کے لیے، ہمیں معلوم ہے جو کچھ ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کیا ہے تاکہ آپ پر کوئی دقت نہ رہے، اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ (33:50)

متعلقہ شق اگر وہ خود کو بطور تحفہ پیش کرتی ہیں بغیر کسی حق مہر کے لئے یا اس کا مطالبہ کیے، جو عام مسلمانوں کے لئے نکاح کے معاہدے میں ایک لازمی چیز ہے۔

ازدواجی توجہ کی ضرورت نہیں

آپ ان میں سے جسے چاہیں چھوڑ دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں، اور ان میں سے جسے آپ (پھر بلانا) چاہیں جنہیں آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں، یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غمزہ نہ ہوں اور ان سب کو جو آپ دیں اس پر راضی ہوں، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ جانتا ہے، اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔ (33:51)

نبی ﷺ کو بتایا گیا تھا کہ انھیں اپنی بیویوں کی وجہ سے اجتماعی دھیان میں سخت گردش دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ وہ پیدا نشی طور پر نزاکت کے جذبے سے متاثر ہوئے اور انہیں ہمیشہ مساوات کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ جب بھی وہ ان میں سے کسی کی طرف رجوع کرتے، تو انہوں نے حقیقی پیار میں ایسا کیا اور ازدواجی فریضہ کے احساس میں نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اتباع کے بارے میں ایک حدیث کے مطابق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ کو اپنی بیویوں میں برابر تقسیم کرتے تھے اور پھر دعا کرتے تھے، اے خدا! میں جو کچھ بھی میری طاقت میں ہے وہ کر رہا ہوں: تب مجھے کسی ایسی چیز میں ناکام ہونے کا الزام نہ لگائیں جو صرف اور صرف تیری طاقت میں ہے، میری ذات میں نہیں!۔

طلاق کی ممانعت

اس کے بعد آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ آپ ان سے اور عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں، اور اللہ ہر ایک چیز پر نگران ہے۔ (33:52)

نبی ﷺ کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو اس کے عوض دوسری بیوی لینے کے لئے طلاق دے دیں۔ مذکورہ آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کو پہلے سے معاہدہ کرنے والوں تک محدود کرنے کے طور پر سمجھا جانا چاہئے (جن کے ساتھ آپ شادی کے

سلسلے میں آئے ہیں۔ طلاق کی ممانعت کا مطلب یہ تھا کہ پیغمبر کی ازواج مطہرات کو ان کے ایمان اور دیانت کی دنیا میں خدا کا اجر قرار دیا گیا ہے۔ یہ سن 7ھ کا دن تھا جب خیبر کی فتح اور پیغمبر اکرم ﷺ کی صفیہ رضی اللہ عنہما سے آخری شادی ہوئی۔

نبی ﷺ کے ازدواجی مسائل

چھیا سٹھویں سورت، اتحریم (ممانعت) کو کبھی کبھار سورہ رسول کے نام سے منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا پہلا نصف حصہ ان کی ذاتی اور خاندانی زندگی کے کچھ پہلوؤں سے متعلق ہے۔

پیغمبر ﷺ کو نصیحت

اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے اپنی قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا مالک ہے اور وہی سب کا جاننے والا حکمت والا ہے۔ (66:1-2)

ازدواجی زندگی کا ترک کرنا

یہاں علف کے تحت ملاحظہ کریں، جہاں مخصوص حالات میں قسم کھائی جائے اور پھر اس پر کفارہ دیا جائے، لہذا مذکورہ بالا جملہ، خدا نے آپ کو توڑنے اور کفارہ کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ سے کئی متضاد اطلاعات ہیں۔ نبی ﷺ کے ہم عصر لوگوں نے اس واقعے کے بہت سے مختلف قصے بیان کیے ہیں۔ ان تمام کہانیوں کا مرکزی موضوع نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج مطہرات میں باہمی حسد کا مظاہرہ ہے، جس کے نتیجے میں نبی ﷺ نے ازدواجی زندگی کو جذباتی اور وقتی طور پر ترک کر دیا ہے۔ مدنی دور کے دوسرے نصف حصے میں، نبی ﷺ نے حلف اٹھایا کہ ایک ماہ تک، وہ اپنی کسی بیوی سے جماع نہیں کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بار بار زور دیا گیا، نبی ﷺ صرف ایک انسان تھے، انسانی جذبات کے تابع تھے اور کبھی کبھار غلطی کا ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور الہی وحی کے ذریعہ اس کی اصلاح کی گئی تھی۔

اس واقعے کے بارے میں قرآنی تصور کا بیان حیاتیاتی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اخلاقی سبق لانا تھا جو تمام انسانی حالات پر لاگو ہوتا ہے۔

خفیہ معلومات کو ظاہر کرنا

اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہہ دی، اور پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتادی اور اللہ نے اس کو نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے اس میں سے کچھ بات جتلا دی اور کچھ ٹال دی، پس جب پیغمبر نے اس کو وہ بات جتلا دی تو بولی آپ کو کس نے یہ بات بتادی، آپ نے فرمایا مجھے خدائے علیم وخبیر نے یہ بات بتلائی (66:3)۔

توبہ طلب کرو

اگر تم دونوں اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو (بہتر) ورنہ تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں، اور اگر تم آپ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو بے شک اللہ آپ کا مددگار ہے اور جبرائیل اور میکائیل اور نیک بخت ایمان والے بھی، اور سب فرشتے اس کے بعد آپ کے حامی ہیں (66:4)۔

نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے خفیہ معلومات کے انحراف کے بارے میں بات کریں۔ انہوں نے پوچھا، آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا اعتماد توڑ دیا ہے۔ مذکورہ آیت میں آپ دونوں سے مراد حفصہ رضی اللہ عنہما ہے، جن سے پیغمبر ﷺ کے اعتماد کے بارے غلطی ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے، جنہوں نے سن کر اس کے بڑھاوے میں حصہ دار بنیں۔

نبی ﷺ کی بیویوں کو انتباہ

اگر نبی تمہیں طلاق دے دے تو بہت جلد اس کا رب اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں دے دے گا، فرمانبردار، ایمان والیاں، نمازی، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، بیوائیں اور کنواریاں (66:5)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک (عائشہ رضی اللہ عنہما) کنواری تھی جب انہوں نے ان سے شادی کی، ایک (زینب بنت جہش) کی طلاق ہو گئی، جبکہ دوسری بیوہ تھیں۔ پیغمبر نے اپنی کسی بھی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی، اور اس عبارت کی فرضی قیاس آرائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مطلب نبی ﷺ کی بیویوں کو بالواسطہ نصیحت کرنا ہے، جن کو کبھی کبھار کوتاہیوں کے باوجود مذکورہ بالا خوبیوں کا مالک ہونا تھا۔ وسیع تناظر میں، یہ تمام مومنین، مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں انتباہ ہے۔

ایک جدید شوہر اور ایک فیمنسٹ

نبی ﷺ نے گھر کے کاموں میں بڑی مدد کی اور خود ہی اپنے کپڑے سیے۔ جب نبی کی اہلیہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ، نبی ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا، وہ اپنے اہلخانہ کے لئے کام کرتے تھے۔ وہ ایک قابل ذکر جدید شوہر تھے جو واقعی میں اپنی بیویوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے اور ان سے ان کا تعلق احترام اور تفہیم کے ساتھ کا تھا، اکثر ان کے مشوروں پر بھروسہ کرتے تھے۔ وہ اکثر ان میں سے ایک کو مہم میں ساتھ لے جانا پسند کرتے تھے اور ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کے مشورے کو سنجیدگی سے لیتے۔

محمد ﷺ نے اپنی اہلیہ کو عرب میں ایک غیر معمولی مقام عطا کیا۔ ان کے کچھ مرد ساتھی اپنی بیویوں کے ساتھ ان کی نرمی سے حیران ہوئے، جس طرح سے وہ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کا جواب دیا۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا، میری بیوی ایک بار اس کوشش میں آئی کہ وہ مجھے اس کام سے روکنے کی کوشش کرے جو میں نے کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جب میں نے اس کو جواب دیا کہ یہ اس کا کام نہیں ہے تو اس نے کہا، عمر! تم میں کتنی عجیب بات ہے! آپ نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا گیا، جب کہ آپ کی بیٹی حفصہ اپنے شوہر، خدا کے نبی ﷺ پر تنقید کر سکتی ہے اور اتنی سختی سے کہ وہ سارا دن پریشان رہتے ہیں۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے تصدیق کی اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بے شک باقی بیویاں اور میں ان پہ تنقید کرتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو متنبہ کیا کہ اس سے خدا کا عذاب اور ان کے نبی ﷺ کا غضب آجائے گا۔ وہ اپنی بیٹی کو چھوڑ کر عمر رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار، اور نبی کریم ﷺ کی ایک اور بیوی، ام سلمہ سے ملنے گئے۔ اسی سوال کے پوچھنے پر، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، کتنی عجیب بات ہے، اے ابن خطاب! کیا آپ نبی ﷺ کے گھریلو معاملات میں بھی، ہر چیز میں دخل اندازی کرنے جا رہے ہیں؟ حضرت محمد ﷺ نے اپنی بیویوں کے خلاف کبھی بھی کسی قسم کا تشدد کا استعمال نہیں کیا، جو متعدد مواقع پر باہمی حسد کا اظہار کرتی تھیں اور ان پر تنقید کرتی تھیں۔

کیا بیوی کو پیٹنے کی اجازت ہے؟

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں، پھر نیک عورتیں تابعہ رہتی ہیں کہ مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی مدد سے (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور بستر میں انہیں جدا کر دو اور مارو، پھر اگر تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لیے بہانے مت تلاش کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔ (4:34)

اس تناظر میں، بیوی کی بیمار جان بوجھ کر، اس کے ازدواجی فرائض کی مستقل خلاف ورزی کا مرتکب ہوگی، جیسے فحش یا غیر مہذبانہ سلوک کے مجرم ہونے کی۔ عربی زبان میں اس آیت میں آپریٹو لفظ درہ ہے۔ اس لفظ کے سیکڑوں استعمال ہیں جن میں واضح مثال قائم کرنے سے،

جماع کرنا، اور بہت سارے دوسرے مطلب بھی بنتے ہیں۔ درہ کے معنی بھی ہیں غصے اور نظر انداز کرنا یا جدا ہونا اور علیحدگی، جو آیت کے تناظر میں مستقل ہے۔ اس آیت کے کچھ مترجمین، تمام مردوں نے، لفظ بیٹ یا ہٹ یا یہاں تک کہ لعنت کا استعمال لفظ درابہ کی نمائندگی کے لئے کیا ہے۔ لفظ درابہ کا ترجمہ قرآن کی کسی آیت میں ماریا مارنا یا ضرب دینا کے معنی میں نہیں کیا گیا ہے سوائے اس کے۔ عربی زبان کے اسکالر زکا کہنا ہے کہ درابہ کے معنی ان پر حملہ کرنے (عورتوں) کو نہیں لیا جاسکتا۔ راغیب اصفہانی اور الزمخشری اور ان لوگوں کی رائے ہے جو اسلام کو سمجھنے میں اچھی طرح سے ہم آہنگ ہیں۔

مذکورہ آیت میں شوہر کو یہ مشورہ ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو نصیحت کریں، اور اگر وہ اس بے حیائی کو جاری رکھے تو اس کا بستر بانٹنا بند کر دیں اور بعد میں اسے علیحدگی اور طلاق کے امکان سے واضح طور پر متنبہ کریں۔ اگر وہ مناسب طرز عمل کی طرف لوٹتی ہے تو، آیت شوہر کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ معمول کی ازدواجی حیثیت پر واپس آئے اور اسے تکلیف پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔

اس حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستند احادیث سے تقویت ملی ہے جس میں بعض بخاری اور مسلم بھی شامل ہیں: کیا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح پیٹ سکتا ہے اور شام کو اس کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے؟ ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد ابن حنبل، اور دیگر میں یہ روایات ہیں کہ انہوں نے کسی بھی عورت کو پیٹنے سے منع کرتے ہوئے کہا، خدا کے نوکروں کو کبھی نہ مارو۔ پیغمبر نے اپنی بیوی کو پیٹنے کے خیال سے نفرت کی۔ کسی عورت کو مارنا بزدلانہ اور وحشیانہ عمل ہے۔ مہذب مرد اس طرح سے برتاؤ نہیں کرتے ہیں اس سے قطع نظر کہ بیوی نے کیا کیا ہے۔ کسی ایسی عورت کو طلاق دینا بہتر ہے جس پر آپ اعتماد نہیں کر سکتے ہیں تشدد کا سہارا نہ لیتے ہوئے۔

ہمدردانہ سرمایہ کاری

28

ایماندار ذرائع سے کمائی

پس منظر کی معلومات

مکہ ایک ایسی بنیادی معاشرتی اقتصادی تبدیلی کا منظر تھا جو ساتویں صدی کے شروع میں عرب کے جزوی طور پر بدو معاشرے سے ایک شہری معاشرے میں منتقل ہوا تھا۔ اس سے صرف دو نسلیں قبل اہل مکہ نے عربی علاقوں میں سخت خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی تھی۔ ہر دن بقا کے لئے ایک سنگین جدوجہد کرنا پڑتی تھی

چھٹی صدی کے آخری سالوں کے دوران مکہ والے تجارت میں بے حد کامیاب ہو گئے۔ کاروانوں پر قابو پانے کے نتیجے میں سرکردہ قبیلہ قریش ایک تجارتی طاقت بن گیا۔ قافلے کی تجارت عرب کے مغربی ساحل سے یمن تک، جنوب میں دمشق اور شمال میں غزہ تک پھیلی تھی۔ جنوب کی طرف تجارتی راستہ ایتھوپیا (حبشہ) تک جاری رہا اور مومن سون ہواؤں کے بہاؤ سے بحری جہازوں کو ہندوستان لے جاتا رہا۔ شمال کی طرف مشرقی رومن سلطنت یا بازنطینی سلطنت مشرق بعید سے آنے والی مصنوعات کے لئے بے چین تھی۔ 610ء تک مکہ کے ذریعے تجارت بہت ہی منافع بخش ہو گئی اور مکہ کے لوگوں نے، خصوصی طور پر تجارتی معیشت کے ذریعہ اپنا معاش حاصل کیا۔ وہ اپنے جنگلی خوابوں سے بڑھ کر امیر تھے۔ مکہ کے عظیم تاجروں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسترد کر دیا جنہوں نے مشکوک کاروباری طریقوں پر تنقید کی تھی جس کو وہ کامیاب تجارتی عمل کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

مکمل ناپ اور تول دیں

اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولاکرو، یہ (دیانت داری) بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے (بھی) خوب تر ہے 17:35

اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے (قومی) بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے سو تم ناپ اور تول پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں اس (کے ماحول حیات) کی اصلاح کے بعد فساد پانہ کیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم (اس اُلوی پیغام کو) ماننے والے ہو (7:85)

اور ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف (محسوس) کرتا ہوں جو (تمہیں) گھیر لینے والا ہے، اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو، جو اللہ کے دیئے میں بخر رہے (وہی) تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (11: 84-86)

تم پیانہ پورا بھرا کرو اور (لوگوں کے حقوق کو) نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم (تول کے ساتھ) مت دیا کرو اور ملک میں (ایسی اخلاقی، مالی اور سماجی خیانتوں کے ذریعے) فساد انگیزی مت کرتے پھرو، اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی امتوں کو پیدا فرمایا (26: 181-184)

اسلامی معاشیات کا ایک سب سے اہم اصول یہ ہے کہ کسی کو ایماندارانہ زندگی گزارنی چاہئے۔ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ کسی کو بھی اپنے کاروبار اور مالیاتی لین دین میں ایماندار اور سچا ہونا چاہئے۔ جائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت کو اچھا محنت اور خدا کی خوشنودی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی مسلمان کھانے کا نوالہ اپنے منہ کی طرف لے کے جائے تو اسے اس سوال کا مثبت طور پر جواب دینا چاہئے۔ "کیا میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کا مستحق ہونے کے لئے میں نے انسانیت کی فلاح کے لئے کیا کیا ہے؟" اس کا مقصد غفلت میں سوئے ہوئے وہ شراکت دار ہیں جو معاشرے میں فلاح و بہبود کے بغیر وراثت پر زندگی گزارتے ہیں۔ اسلام نے یہ اصول پیش کیا ہے کہ غیر کمایا گیا پیسہ کسی کا اپنا نہیں ہے۔

کاروبار اور تجارت قابل احترام پیشے سمجھے جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کاروباری شخصیت تھے۔ مسلمان تاجروں نے اسلام کو جنوب مشرقی ایشیاء میں متعارف کرایا جو آج کل کا جدید ملائیشیا اور انڈونیشیا، جو دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کو نئے عقیدے کو پھیلانے کے سب سے مؤثر اور عقیدہ مساوات کے طور پر دیکھا۔

اور پیانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے (6: 152)

خدا یہ توقع نہیں کرتا ہے کہ مرد "ریاضیاتی" برابری کے ساتھ سلوک کریں۔ جس میں ملوث بہت سے نادیکھنے والے عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے انسان کے معاملات میں شاذ و نادر ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن وہ توقع کرتا ہے کہ وہ اس مثالی حصول کے لئے اپنی پوری کوشش کرے گا۔ مذکورہ آیت کا مطلب "آپ کے تمام معاملات میں" ہے اور نہ کہ صرف تجارتی لین دین میں۔

مختصر پیمائش کرنا

سورج اور چاند (اسی کے) مقررہ حساب سے چل رہے ہیں، اور زمین پر پھیلنے والی بوٹیاں اور سب درخت (اسی کو) سجدہ کر رہے ہیں، اور اسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے اور (اسی نے عدل کے لئے) ترازو قائم کر رکھی ہے، تاکہ تم تولنے میں بے اعتمادی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کر (55: 9-5)

دوسروں کا مال متاع کھا جانا

اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)، (2: 188)

مذکورہ بالا آیات مومنوں کو نصیحت کرتی ہیں کہ ٹھیک ٹھیک قانونی حکمت عملی کے ذریعہ ایک دوسرے کے مال کا لالچ نہ رکھیں اور نہ ہی ایسے مال کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جس پر دوسروں کا حق ہے۔ دوسروں کے حقوق کو جھوٹے یا جعلی دعوؤں کے ذریعہ مت کھاؤ یہاں تک کہ اگر دوسرا شخص حالات کے دباؤ میں آکر ایسی محرومی یا استحصا پر راضی ہو جائے پھر بھی نہیں۔ اس حوالہ سے صرف تجارتی معاملات ہی مطلوب نہیں ہیں بلکہ معاشرتی تعلقات کا ہر پہلو بھی ہے، عملی اور اخلاقی ہر فرد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اس کے مادی ساز و سامان سے کم نہیں ہے۔

بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے، یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، ایک بڑے سخت دن کے لئے، جس دن سب لوگ تمام جہانوں کے رب کے حضور کھڑے ہوں گے (83: 1-6)

جہنم کی آگ سے دوچار

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے، اور جو کوئی تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اسے (دوزخ کی) آگ میں ڈال دیں گے، اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے (4: 29-30)

دولت، انسان کے کردار کی آزمائش کے طور پر

صرف مصیبت کے وقت خدا کا ذکر کرنا

پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت بخش دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے (میرے) علم و تدبیر (کی بنا پر ملی ہے، بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے، فی الواقع یہ (باتیں) وہ لوگ بھی کیا کرتے تھے جو اُن سے پہلے تھے، سو جو کچھ وہ کماتے رہے اُن کے کسی کام نہ آسکا، تو انہیں وہ برائیاں آ پہنچیں جو انہوں نے کما رکھی تھیں، اور اُن لوگوں میں سے جو ظلم کر رہے ہیں انہیں (بھی) عنقریب وہ برائیاں آ پہنچیں گی جو انہوں نے کما رکھی ہیں، اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے (39: 49-51)

بد قسمتی میں ناامیدی خوشحالی میں خوشی

جب ہم انسان کو اپنی بارگاہ سے رحمت (کا ذائقہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے اُن کے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہوئے اعمال (بد) کے باعث، تو بیشک انسان بڑا شکر گزار (ثابت ہوتا) ہے (42: 48)

مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایا، لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا (16-15: 89)

جب خدا انسان کو قدرے مادی فوائد عطا کرتا ہے تو وہ اکثر خدا کے فضل کو، اپنی قابلیت تصور کرتا ہے اور اسے اپنی اہلیت اور ہوشیاری سے منسوب کرتا ہے۔ اس کامیابی میں وہ خوش رہتا ہے۔ اگر اسے کوئی بد بختی پہنچتی ہے تو اپنی ماضی کی خوشی کو شکر گزاری کے ساتھ یاد کرنے کی بجائے خدا کے وجود کو سوال میں ڈال دیتا ہے۔ وہ دولت مند کی عدم موجودگی یا گمشدگی کو ایک آزمائش کے طور پر سمجھنے میں ناکام رہتا ہے لیکن اسے قدرت کی ناانصافی کے طور پر دیکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر خدا کا وجود ہوتا تو وہ دنیا میں اتنی بد بختی اور ناخوشی کو غالب ہونے کی اجازت نہ دیتا جو انسانی احساسات اور توقعات کے لحاظ سے خدا کے تصور پر مبنی ایک نتیجہ ہے۔ یہ غلط دلیل آخرت کی حقیقت کو خاطر میں نہیں لیتی۔ بہت سارے لوگ بنیادی طور پر اس دنیا سے وابستہ زندگی کے افواہوں اور ان وعدوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچتے ہیں جو ان کے فوری فائدے میں ہیں۔

امیر اور غریب آدمی کی مثال

اور آپ ان سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کریں جن میں سے ایک کے لئے ہم نے انکو کے دو باغات بنائے اور ہم نے ان دونوں کو تمام اطراف سے کھجور کے درختوں کے ساتھ ڈھانپ دیا اور ہم نے ان کے درمیان (سرسبز و شاداب) کھیتیاں اگا دیں، یہ دونوں باغ (کثرت سے) اپنے پھل لائے اور ان کی (پیداوار) میں کوئی کمی نہ رہی اور ہم نے ان دونوں (میں سے ہر ایک) کے درمیان ایک نہر (بھی) جاری کر دی، اور اس شخص کے پاس (اس کے سوا بھی) بہت سے پھل (یعنی وسائل) تھے، تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے تبادلہ خیال کر رہا تھا کہ میں تجھ سے مال و دولت میں کہیں زیادہ ہوں اور قبیلہ و خاندان کے لحاظ سے (بھی) زیادہ باعزت ہوں، اور وہ (اسے لے کر) اپنے باغ میں داخل ہوا (تکبر کی صورت میں) اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے کہنے لگا: میں یہ گمان (ہی) نہیں کرتا کہ یہ باغ تباہ ہو گا، اور نہ ہی یہ گمان کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا بھی گیا تو بھی یقیناً میں ان باغات سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا (18: 32-36)

اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے تبادلہ خیال کر رہا تھا: کیا تو نے اس (رب) کا انکار کیا ہے جس نے تجھے (اولاً) مٹی سے پیدا کیا پھر ایک تولیدی قطرہ سے پھر تجھے (جسمانی طور پر) پورا مرد بنا دیا؟ لیکن میں (تو یہ کہتا ہوں) کہ وہی اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتا (18: 37-38)

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہیں کہا: ”ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ“ (وہی ہونا ہے جو اللہ چاہے کسی کو کچھ طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے)، اگر تو (اس وقت) مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھتا ہے (تو کیا ہوا)، کچھ بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے پھر وہ چٹیل چکنی زمین بن جائے، یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں چلا جائے پھر تو اسے حاصل کرنے کی طاقت بھی نہ پا سکے (18: 39-41)

اور (اس تکبر کے باعث) اس کے (سارے) پھل (تباہی میں) گھیر لئے گئے تو صبح کو وہ اس پونجی پر جو اس نے اس (باغ کے لگانے) میں خرچ کی تھی کفِ افسوس ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنے چھپروں پر گر پڑا تھا اور وہ (سراپا حسرت و یاس بن کر) کہہ رہا تھا: ہائے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا (اور اپنے اوپر گھمنڈ نہ کیا ہوتا)، اور اس کے لئے کوئی گروہ (بھی) ایسا نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتے اور نہ وہ خود (ہی اس تباہی کا) بدلہ لینے کے قابل تھا، یہاں (پتہ چلتا ہے) کہ سب اختیار اللہ ہی کا ہے (جو) حق ہے، وہی بہتر ہے انعام دینے میں اور وہی بہتر ہے انجام کرنے میں (18: 42-44)

راستباز بھی دولت کی بد عنوانی کے اثر و رسوخ کا شکار ہیں

اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لئے روزی کشادہ فرمادے تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرنے لگیں لیکن وہ (ضروریات کے) اندازے کے ساتھ جتنی چاہتا ہے اتار تا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں (کی ضرورتوں) سے خبردار ہے خوب دیکھنے والا ہے، اور وہ ہی ہے جو بارش برساتا ہے اُن کے مایوس ہو جانے کے بعد اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہ کار ساز بڑی تعریفوں کے لائق ہے (27: 42-28)

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ (کفر پر جمع ہو کر) ایک ہی ملت بن جائیں گے تو ہم (خدائے) رحمان کے ساتھ کفر کرنے والے تمام لوگوں کے گھروں کی چھتیں (بھی) چاندی کی کر دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے (43: 33)

بعض اوقات جب انسان کو بڑی دولت کے امکانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ روحانی اور اخلاقی نظریات سے محروم ہو جاتا ہے۔ راتوں رات امیری، تکبر اور جھوٹے فخر کا باعث بن سکتی ہے اور یہاں تک کہ نیک آدمی بھی بالکل خود غرض لالچی اور بے رحم ہو سکتا ہے۔ وہ خود کفیل ہونے کے گستاخانہ نظریہ کو بہلاتے ہیں (جو توہین آمیز ہے کیونکہ صرف خدا ہی خود کفیل ہے) اور خدا کے فضل سے حاصل ہونے والے احسانات کا شکر کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ لہذا خدا تمام نیک بندوں پر کثرت دولت نہیں کرتا کیونکہ ضرورت سے زیادہ دولت بعض کو گستاخی کا باعث بننے پر مجبور کر سکتی ہے۔ زندگی سے جڑی بارش کی علامت کا حوالہ اس سابقہ بیان کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے کہ "وہ اپنے فضل سے جس طرح چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔" قرآن نے بار بار زور دیا ہے کہ خدا کی طرف سے راستبازوں اور بدکرداروں کو جواب اس کے بعد آنے والی زندگی میں واضح ہو جائے گا اور ضروری نہیں کہ اس دنیا میں جو انسان کے وجود کا صرف پہلا مختصر مرحلہ ہے۔

بد قسمتی اور خوشحالی کے دوران اعتدال کے ساتھ عمل کریں

کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں جو اللہ کے علم قدیم کا مرتبہ ہے) اس سے قبل کہ ہم اسے پیدا کریں (موجود) ہوتی ہے، بیشک یہ (علم محیط و کامل) اللہ پر بہت ہی آسان ہے، تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اس چیز پر نہ اترؤ جو اس نے تمہیں عطا کی، اور اللہ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور (دوسرے) لوگوں کو (بھی) بخل کی تلقین کرتے ہیں، اور جو شخص (احکام الہی سے) رُگردانی کرتا ہے تو بیشک اللہ (بھی) بے پرواہ ہے بڑا قابلِ حمد و ستائش ہے (22: 57-24)

اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو (2: 143)

یہ خدا ہی ہے جو کسی بھی چیز کا حکم دیتا ہے اور اسے وجود میں لاتا ہے چاہے یہ فطری ہو یا انسانی تباہی ہو اور بیماری اخلاقی یا مادی محرومی یا دیگر بد قسمتیوں سے دوچار شخص کے لئے۔ یہ جاننا کہ جو کچھ بھی ہو اوہ ہونا ہی تھا کیوں کہ خدا نے اس کو ناقابلِ تسخیر منصوبے کے مطابق اس کو لکھ رکھا تھا اس کے لئے ایک سچے مومن کو اس قابل ہونا چاہئے کہ جو بھی اچھائی یا بیماری آتی ہے، وہ اس کے بارے میں شعوری طور پر سوچ بچار کرے۔ نیک زندگی گزارنے

کے سنہری اصولوں میں سے ایک، اعتدال پسند زندگی کی روش ہے۔ خدا ان لوگوں سے پیار نہیں کرتا جو اپنی خوش قسمتی کو اپنی خوبی یا قسمت سے منسوب کرتے ہیں اور یہ تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خدا نے چاہا تھا۔

صدقہ و خیرات

دواہم مطالبات: خدا کی وحدانیت اور خیرات

میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود فقط معبود یکتا ہے، پس تم اسی کی طرف سیدھے متوجہ رہو اور اس سے مغفرت چاہو، اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے، جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہی تو آخرت کے بھی منکر ہیں، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا (8-6: 41)

خدا کی وحدانیت پر یقین اور اپنے ساتھی انسانوں کے لئے خیرات کرنا اسلام کے دواہم مطالبات ہیں۔ ان دونوں مطالبات میں سے جان بوجھ کر کسی ایک کی بھی خلاف ورزی، اللہ کے سامنے انسانیت کی ذمہ داری سے انکاری کے مترادف ہے۔ قرآن مومنوں کو یاد دلاتا ہے کہ خدا پر ان کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان کو اپنے ہم وطنوں کی مادی ضروریات سے آگاہ نہ کرے۔

سچی تقویٰ اور خیرات

تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے (3:92)

بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قربت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے (177: 2)

خدا دولت کا منبع ہے۔ انسان صرف امانت دار ہے

اور وہی ہے جس نے برداشتہ اور غیر برداشتہ (یعنی بیلوں کے ذریعے اوپر چڑھائے گئے اور بغیر اوپر چڑھائے گئے) باغات پیدا فرمائے اور کھجور (کے درخت) اور زراعت جس کے پھل گونا گوں ہیں اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (ذائقہ میں) جدا گانہ ہیں (بھی

پیدا کئے۔ جب (یہ درخت) پھل لائیں تو تم ان کے پھل کھایا (بھی) کرو اور اس (بھتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو، بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (141:6)

زمین اور آسمان کی ہر چیز کا وجود صرف اور صرف اللہ کی قدرت ہے۔ اس آیت میں باغات کا کثرت سے ذکر اس نظریہ کی عکاسی کرتا ہے کہ ہر زندہ اور بڑھنے والی چیز خدا کی ہے۔ یہ مکہ کے نئے امیر تاجروں اور قرآن کے پیروکاروں کے لئے ایک یاد دہانی تھی کہ جو دولت انہوں نے حاصل کی ہے وہ خدا کی ہے جس کے لئے انہیں خدا کی طرف سے حاصل ہونے والی نعمتوں کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ انسان کو صرف اس کا عارضی استعمال اور زندگی میں اچھی چیزوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے۔ جو کچھ انسان اپنی مختصر زندگی میں کماتا ہے اور رکھتا ہے وہ خدا کے فضل سے ہے۔ سمجھدار، امانت دار ہونے کے ناطے آدمی کو خدا کا فضل ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

کچھ پر کثرت اور دوسروں پر قلت

وہی آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک ہے (یعنی جس کے لئے وہ چاہے خزانے کھول دیتا ہے) وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق و عطا کشادہ فرمادیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے (42:12)

اور کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرمادیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ایمان رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں (39:52)

ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں ہے، دیکھئے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے، اور یقیناً آخرت (دنیا کے مقابلہ میں) درجات کے لحاظ سے (بھی) بہت بڑی ہے اور فضیلت کے لحاظ سے (بھی) بہت بڑی ہے (17:20-21)

بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرمادیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں (کے اعمال و احوال) کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے (17:30)

حسد ایک ایسا احساس ہے جو قابلِ داد تعریف اور ایک ایسی چیز حاصل کرنے کی خواہش کا نام ہے جو کسی اور کے پاس ہو۔ لالچ ایک ایسی چیز کے مالک ہونے کی حسد ہے جو کسی اور کی ہو۔ مذکورہ بالا آیات مومنین کو نصیحت کرتی ہیں کہ ایک دوسرے کے مال سے حسد نہ کریں۔ دولت یا اس کی کمی انسانوں کے لئے بھی آزمائش ہے۔ مذکورہ بالا حکم امتیازی طور پر حسد کی مذمت کرتا ہے اس اظہار کو "بہت سارے دوسرے" کے طور پر پیش کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا کسی شخص کو عطا کرتا ہے وہ خدائی حکمت کا نتیجہ ہے اور اس شخص کے لئے واقعی مناسب ہے۔ اس جملے کو آنے والی زندگی اور روحانی رزق کے حوالے سے بھی سمجھا جاسکتا ہے جو خدا نیک لوگوں کو عطا کرتا ہے۔

امیروں کو چاہیے کہ وہ غریبوں کو دیں

[غریبوں] کو اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو (6: 141)

اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے (57: 7)

مسلم معاشیات کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ لوگوں کی دولت کو وسیع پیمانے پر بانٹنا چاہئے۔ معاشرے کی صحت کا تقاضا ہے کہ مادی سامان کو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جائے اور دولت آسانی سے گردش میں ہو۔ قرآن مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمان معاشرتی انصاف کی راہ پر گامزن ہوں جس کی جڑیں یہ سمجھی جاتی ہیں کہ زمین بالآخر خدا کی ہے اور انسان ہی اس کا نگہبان ہے۔ اس لئے مادی انعامات، برادری کے دوسرے لوگوں کی طرف معاشرتی ذمہ داری کے تابع ہیں۔

دینے کا حتمی انعام

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم فقط اس مالک کے نائب ہو)، تم میں سے جن لوگوں نے فح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں اپنا مال) خرچ کیا اور قتال کیا وہ (اور تم) برابر نہیں ہو سکتے، وہ ان لوگوں سے درجہ میں بہت بلند ہیں جنہوں نے بعد میں مال خرچ کیا ہے اور قتال کیا ہے، مگر اللہ نے حسن آخرت (یعنی جنت) کا وعدہ سب سے فرما دیا ہے، اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو ان سے خوب آگاہ ہے، کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دے تو وہ اس کے لئے اس (قرض) کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اس کے لئے بڑی عظمت والا اجر ہے، (اے حبیب!) جس دن آپ (اپنی امت کے) مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہو گا (اور ان سے کہا جائے گا: تمہیں بشارت ہو آج (تمہارے لئے) جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں (تم) ہمیشہ ان میں رہو گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے (57: 10-12)

اور نہ تمہارے مال اس قابل ہیں اور نہ تمہاری اولاد کہ تمہیں ہمارے حضور قرب اور نزدیکی دلا سکیں مگر جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے، پس ایسے ہی لوگوں کے لئے دو گنا اجر ہے ان کے عمل کے بدلے میں اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں امن و امان سے ہوں گے، اور جو لوگ ہماری آیتوں میں (مخالفانہ) کوشش کرتے ہیں (ہمیں) عاجز کرنے کے گمان میں، وہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے، فرما دیجئے: بیشک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لئے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اور تم (اللہ کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو وہ اس کے بدلہ میں اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے (34: 37-39)

دولت کی تقسیم میں عدم مساوات ہر معاشرے میں زندگی کی حقیقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورتحال کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ اسلامی جواب آسان ہے: جن کے پاس بہت کچھ ہے ان کو چاہئے کہ وہ جو غریب ہیں ان کا بوجھ اٹھانے میں مدد کریں۔ یہ ایک اصول ہے جو اکیسویں صدی کی

جمہوریت نے فلاحی ریاست کے اپنے تصور میں اپنایا ہے۔ مردوں کو ذاتی مفادات کے جبر کے تحت ڈھونڈتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے اقدامات کی حمایت کی جن سے معاشی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں ختم ہوئیں اور خصوصی مراعات کی نا انصافیوں کو بے حد کم کیا گیا۔

مختصر خوشی یا ابدی خوشی

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ (کفر پر جمع ہو کر) ایک ہی ملت بن جائیں گے تو ہم (خدائے رحمان کے ساتھ کفر کرنے والے تمام لوگوں کے گھروں کی چھتیں) (بھی) چاندی کی کر دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے ہیں، اور (اسی طرح) اُن کے گھروں کے دروازے (بھی) چاندی کے کر دیتے اور تخت (بھی) جن پر وہ مسند لگاتے ہیں، اور (چاندی کے اوپر) سونے اور جواہرات کی آرائش بھی (کر دیتے)، اور یہ سب کچھ دنیوی زندگی کی عارضی اور حقیر متاع ہے، اور آخرت (کا حُسن و زیبائش) آپ کے رب کے پاس ہے (جو) صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے (35- 33: 43)

اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں مزید اضافہ فرماتا ہے، اور باقی رہنے والے نیک اعمال آپ کے رب کے نزدیک اجر و ثواب میں (بھی) بہتر ہیں اور انجام میں (بھی) خوب تر ہیں، (19:76)

زکوٰۃ

اسلام کا تیسرا ستون زکوٰۃ ہے۔ دولت کی تقسیم کا قرآنی طریقہ لازمی اور رضا کارانہ، دونوں ہیں۔ زکوٰۃ ایک لازمی صدقہ ہے۔ اس کے دو مقاصد ہیں۔ اول اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے مال کو لالچ اور خود غرضی کے داغ سے پاک کرنا ہے۔ دوسرا اس ٹیکس کی آمدنی کو اس میں استعمال کیا جاتا ہے جس میں قرآن "خدا کی وجہ" یا معاشرے کی فلاح و بہبود کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں صدی میں دولت کو تقسیم کرنے کا آغاز کیا جس میں امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں میں دی جاتی تھی۔ جب بھی زکوٰۃ کی اصطلاح مذکورہ بالا شرائط پر مشتمل ہو تو اس کا ترجمہ "پاک کرنے والے صدقات" کے طور پر ہوتا ہے۔ جب یہ اصطلاح بنی اسرائیل کے حوالے سے استعمال ہوتی ہے تو اس کا مطلب صرف غریبوں کے لئے خیرات کا کام ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ "خیرات" یا "صدقہ" کے طور پر کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ مسلمان کسی غریب خاندان یتیموں بیوہ خواتین اور دیگر افراد کی براہ راست مدد کر سکتے ہیں۔ کچھ اسلامی ممالک میں حکومت زکوٰۃ جمع کرتی ہے اور اسے غریبوں اور مستحقوں میں بانٹ دیتی ہے۔

صدقہ

رضا کارانہ طور پر صدقہ دینے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے یہاں صدقہ (کثرت) کی اصطلاح کو "خدا کی خاطر پیش کردہ نذرانہ" کے طور پر پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس اصطلاح کے لئے انگریزی میں مختص کردہ ٹرم نہیں ہے۔ اس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو ایک مومن آزادانہ طور پر کسی دوسرے شخص کو بیار یا شفقت کسی بھی خیراتی تحفہ سے واجب الادا ٹیکس یا زکوٰۃ سے ہٹ کر دیتا ہے۔ دولت کی رضا کارانہ تقسیم اسلام میں عمل

آزادی کے عام تصور کے مطابق ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات دونوں صرف غربت کے خاتمے کے لئے سختی سے استعمال کی جاتی ہیں اور کسی اور مقصد کے لئے استعمال نہیں ہو سکتی ہے۔

غریبوں کی مدد سے انکار کرنا

خدا سے کہو بھوکوں کو کھلائے

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں: کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (بتلا) ہو گئے ہو، (36:47)

بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو، جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے (37-36:4)

مال ان کی گردن کے گرد لٹکا ہوا ہو گا

اور جو لوگ اس (مال و دولت) میں سے دینے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ ہرگز اس بخل کو اپنے حق میں بہتر خیال نہ کریں، بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے، عنقریب روزِ قیامت انہیں (گلے میں) اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے رہے ہوں گے، اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے (یعنی جیسے اب مالک ہے ایسے ہی تمہارے سب کے مر جانے کے بعد بھی وہی مالک رہے گا)، اور اللہ تمہارے سب کاموں سے آگاہ ہے، (180:3)

یہ کچھ کافروں کی طرزِ زندگی کی طرف اشارہ ہے جن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو مادی چیزوں سے انتہائی لگاؤ ہے۔ مادیت پرستی کسی ایسی چیز پر یقین کے فقدان پر مبنی ہے جو زندگی کے عملی مسائل سے ماورا ہو۔

کنجوس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ

اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا، اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا، تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)، اور اس کا مال اس کے کسی کام

نہیں آئے گاجب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا، سو میں نے تمہیں (دوزخ کی) آگ سے ڈرا دیا ہے جو بھڑک رہی ہے، جس میں انتہائی بد بخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا، جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور (رسول کی اطاعت سے) منہ پھیر لیا، (92: 8-1411-16)

اہم کاروباری افراد دولت مند بیوپاری بن چکے تھے اور انہوں نے اپنے لئے سب سے زیادہ منافع کمانے کا سوچا۔ وہ سرمایہ جس کے ذریعے انہوں نے کام کیا اس قبیلے کی مشترکہ ملکیت تھی لیکن وہ آسانی سے اسے بھول گئے۔ وفاداری بہادری اور قیادت جیسی قدیم قبائلی اقدار پر سرمایہ داری کے بادل چھا گئے جس میں کوئی اخلاقی اقدار نہ تھیں۔ مکہ میں مادی خوشحالی کی وجہ سے دولت اور طاقت کی ضرورت سے زیادہ تشخیص ہوئی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ انسان خود کفیل ہے۔ (توہین مذہب کیونکہ صرف خدا خود کفیل ہے)۔

سورہ الماعون (107)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے، تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)، اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی استحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)، پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے، جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)، وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجالاتے ہیں اور پس ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)، اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے، (107: 1-7)

اس سورت کا نام آخری لفظ میں الماعون سے ماخوذ ہے۔ لفظ الماعون اصطلاح میں روزمرہ کے استعمال کے لئے درکار بہت سی چھوٹی چھوٹی اشیاء کا نام ہے اور ساتھ ہی کبھی کبھار احسن سلوک پر مشتمل ہے جو اپنے ساتھیوں کو اس طرح کی چیزوں سے مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کے وسیع معنوں میں یہ کسی بھی مشکل میں امداد یا مدد کا اشارہ کرتا ہے۔ مکہ کے خوشحال سوداگروں نے اپنی دولت غریبوں میں بانٹنے سے انکار کر دیا۔ قبیلے کے کمزور ممبروں کی دیکھ بھال کرنے کے بجائے خانہ بدوش کے ضابطے کے مطابق قریش اب قبیلے کے زیادہ کمزور افراد کا استحصال کر کے رقم کمانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ بڑے تاجر غریبوں یا بد قسمتوں کی مدد کے لئے اپنی دولت کو استعمال کرنے پر راضی نہیں تھے اور بد گمان اور خود غرضی کے شکار تھے۔

آباد گار دولت مند لوگوں اور غریب خانہ بدوشوں کے مابین ایک وسیع و عریض فرق تھا۔

اچھی اور خراب فصل کی مثال

بے شک ہم ان (اہل مکہ) کی (اسی طرح) آزمائش کریں گے جس طرح ہم نے (یمین کے) ان باغ والوں کو آزمایا تھا جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم صبح سویرے یقیناً اس کے پھل توڑ لیں گے، اور انہوں نے (ان شاء اللہ کہہ کر یا غریبوں کے حصہ کا) استثناء نہ کیا، پس آپ کے رب کی جانب سے ایک پھرنے والا (عذاب رات ہی رات میں) اس (باغ) پر پھر گیا اور وہ سوتے ہی رہے، سو وہ (لہلہاتا پھلوں سے لدا ہوا باغ) صبح کو کٹی ہوئی کھیتی کی

طرح ہو گیا، پھر صبح ہوتے ہی وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے، کہ اپنی کھیتی پر سویرے سویرے چلے چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو، سو وہ لوگ چل پڑے اور وہ آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے، کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہر گز کوئی محتاج نہ آنے پائے (68: 17-24)

ہم کچھ گنہگاروں کو ان کے اخلاقی اقدار کے تناسب سے مالا مال کر کے ان کو آزماتے ہیں۔ باغ کے مالکان نے "اگر خدا نے چاہا تو بغیر کسی رکاوٹ کے" اپنے پھل کی کٹائی کے مقصد کے بارے میں فیصلہ کیا۔ یہ اس تمثیل سے اخذ کیے جانے والے پہلے اسباق کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے غریبوں کے لئے بھی کوئی بندوبست نہیں کیا۔ جب سے بائبل کے زمانے سے یہ سمجھا گیا ہے کہ زیادہ خوش قسمت مردوں کی ملکیت والے کھیتوں اور باغات کی کٹائی میں غریبوں کا حصہ ہے (دیکھیں 6: 141۔ "اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو")۔ باغ کے مالکان کا غریبوں کو اس حق سے محروم کرنے کا عزم دوسری قسم کا معاشرتی گناہ ہے جس کی طرف مذکورہ بالا تمثیل بیان کرتا ہے۔

اور وہ صبح سویرے (پھل کاٹنے اور غریبوں کو ان کے حصہ سے محروم کرنے کے) منصوبے پر قادر بنتے ہوئے چل پڑے، پھر جب انہوں نے اس (ویران باغ) کو دیکھا تو کہنے لگے: ہم یقیناً راستہ بھول گئے ہیں (یہ ہمارا باغ نہیں ہے)، (جب غور سے دیکھا تو پکار اٹھے: نہیں نہیں)، بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں، ان کے ایک عدل پسند زیرک شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم (اللہ کا) ذکر و تسبیح کیوں نہیں کرتے، (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہم ہی ظالم تھے، سو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم ملامت کرنے لگے، کہنے لگے: ہمارے شامت! بے شک ہم ہی سرکش و باغی تھے، امید ہے ہمارا رب ہمیں اس کے بدلہ میں اس سے بہتر دے گا، بے شک ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، عذاب اسی طرح ہوتا ہے، اور واقعی آخرت کا عذاب (اس سے) کہیں بڑھ کر ہے، کاش! وہ لوگ جانتے ہوتے، بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغات ہیں، کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح (محروم) کر دیں گے (25: 68-35)

قرآنی وحی کی تاریخ میں "جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا" یہ اصطلاح مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ ہے۔ اس کام کے دوران اصطلاحات 'مسلم' اور 'اسلام' کو ان کے اصلی مفہوم کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے یعنی "جو شخص ہتھیار ڈال دیتا ہے یا خدا کے سامنے خود سپردگی کرتا ہے یا انسان نے خدا کے سامنے خود سپردگی کر دی ہے۔" قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ 'اسلمہ' استعمال ہوا ہے اس کا یہی مطلب ہے

کسی بھی قیمت پر دولت جمع کرنا

"النکاح"

تمہیں کثرتِ مال کی ہوس اور فخر نے (آخرت سے) غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے، ہر گز نہیں! (مال و دولت تمہارے کام نہیں آئیں گے) تم عنقریب (اس حقیقت کو) جان لو گے، پھر (آگاہ کیا جاتا ہے:) ہر گز نہیں! عنقریب تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا، ہاں ہاں! کاش تم (مال و زر کی ہوس اور اپنی غفلت کے انجام کو) یقینی علم کے ساتھ جانتے (تو دنیا میں کھو کر آخرت کو اس طرح نہ بھولتے)، تم (اپنی حرص کے نتیجے میں) دوزخ کو ضرور دیکھ کر رہو گے، پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے، پھر اس دن تم سے (اللہ کی) نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا (کہ تم نے انہیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے خرچ کیا تھا) (8-1: 102)

ایک سوسینڈز کی سورت النکاح (زیادہ سے زیادہ کی لالچ) ابتدائی کی سورت ہے۔ اس میں قرآن مجید کی ایک بہت ہی طاقت ور پیش گوئی کی عبارت ہے جو انسان کے بے لگام لالچ کو روشن کرتی ہے۔ یہ رجحانات ہمارے اس موجودہ دور میں تمام انسانی معاشروں پر حاوی ہوئے ہیں۔

اصطلاح النکاح "لالچ میں اضافے کے لئے کوشاں" کے معنی رکھتا ہے چاہے وہ فوائد مادی ہو یا غیر مادی، حقیقی ہو یا خیالی۔ اس سے زیادہ سے زیادہ دولت اور مادی سامان کے لئے انسان کی جنونی جدوجہد کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس طرح کی کوششوں کا زبردست تعاقب انسان کو تمام روحانی بصیرت سے روکنے اور اخلاقی اقدار پر مبنی کسی بھی پابندی کو قبول کرنے سے روکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف افراد بلکہ پورا معاشرہ ہی آہستہ آہستہ اندرونی استحکام اور خوشی کا کوئی امکان کھودیتا ہے۔

آپ خود کو "زمینی جہنم" میں پاتے ہو جو زندگی کو غلط انداز میں بسر کرنے سے پیدا ہوا ہے نیز مایوسی ناخوشی اور الجھن جو مادیت کے بے حد پیچیدہ اور بے لگام حصول لانے کا پابند ہے۔ ہمارے زمانے میں بنی نوع انسان تمام روحانی اور مذہبی رجحان کی باقیات کو کھونے والا ہے۔ آپ کو ماضی کے کاموں کی اصل نوعیت کی بصیرت کے ذریعے آخرت میں اس کا ادراک ہو گا۔ ایک شخص زندگی کے اعانت کا غلط بیکار استعمال کر کے خود کو تکلیف پہنچاتا ہے۔

الحمزہ (دولت جمع کرنا)

ہر اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو (روبرو) طعنہ زنی کرنے والا ہے (اور پس پشت) عیب جوئی کرنے والا ہے، (خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی، ہرگز نہیں! وہ ضرور حطمہ (یعنی چوراچورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا، اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ حطمہ (چوراچورا کر دینے والی آگ) کیا ہے، (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی، بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی، (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہ فرار نہ رہے گی) (9-1: 104)

ایک سو چار نمبر سورت الحمزہ (بہتان بولنے والا) اس کا روایتی اسم پہلی آیت میں آنے والے اسم سے مستعمل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے تیسرے سال کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

"اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا" یہ ایسے الفاظ ہیں جن کو سوچتے ہوئے انسان کسی بھی روحانی اقدار کی قدر نہیں کرتا (دیکھیں 1: 102 اس باب کے آغاز پر)۔ دردناک عذاب، جہنم کے تصور میں شامل دوسرے عالمگیر مصائب کے متعدد استعاروں میں سے ایک ہے۔ خدا کی ان کے دلوں میں بھڑکائی ہوئی آگ نے انہیں مایوسی سے دوچار کر دیا اور یہ گناہگاروں کے لئے اپنے جرم کا احساس کرنے کے لئے ہے۔

لا لُحْ / حرص

"فرما دیجئے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تب بھی (سب) خرچ ہو جانے کے خوف سے تم (اپنے ہاتھ) روکے رکھتے، اور انسان بہت ہی تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے" (100: 17)

یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اکرام نہیں کرتے، اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو، اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے) افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے، اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو (89: 17-20)

اخلاقیات کی قربانی پر مادی کامیابی

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں: (اسی دنیا میں دیکھ لو! ہم) دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ بہتر اور مجلس خوب تر ہے، اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر ڈالا جو ساز و سامان زندگی اور نمود و نمائش کے لحاظ سے (ان سے بھی) کہیں بہتر تھے، فرما دیجئے: جو شخص گمراہی میں مبتلا ہو تو (خدا نے) رحمان (بھی) اسے عمر و عیش میں خوب مہلت دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ

لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ عذاب اور خواہ قیامت، تب وہ اس شخص کو جان لیں گے جو رہائش گاہ کے اعتبار سے (بھی) برا ہے اور لشکر کے اعتبار سے (بھی) کمزور تر ہے (75-73: 19)

یہ انسانی معاشرے کی دو اقسام کا ایک اشارہ ہے جو زندگی کے بارے میں ان کے مختلف نقطہ نظر اور ایمان اور اخلاقیات کے مسائل پر مبنی ہیں۔ بیاناتی سوال کی لپیٹ میں منکرین کی عبارت "کہانی" ایک ایسے معاشرے کی حمایت کرتی ہے جو کسی بھی طرح کی اخلاقی رکاوٹوں کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے اور صرف تنہائی کے حکم کو ماننے کے لئے پر عزم ہے۔ اس طرح کے معاشرتی نظام میں جب کوئی خدا کے اخلاقیات کے بنائے ہوئے معیار کو سوچے سمجھے رد کرتا ہے تو اسے مادی کامیابی اور طاقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے مفروضہ یہ ہے کہ وہ انسان کی مادی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ کسی بھی قیمت پر اس مادی کامیابی کا قرآنی جواب تین گنا ہے:

1. ہر مومن کو گنہگاروں کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ خدا مہلت دے اور ان کی عمر کو لمبی کرے تاکہ ان کو اپنے طریقوں کی غلطی کا احساس کرنے اور توبہ کرنے کا موقع ملے۔

2. وہ لوگ جو نیک راہ پر ہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ اس دنیاوی مال کی نسبت، آنے والی زندگی میں، بہت زیادہ ہوگا

3. گنہگار جو زندگی سے متعلق اپنے جذب شدہ مادی نظریات کو تبدیل کرنے سے انکار کرتے ہیں انہیں بعد کی زندگی میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ اگلا حصہ واضح کرتا ہے۔

بعد کی زندگی میں نتائج

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا: مجھے (قیامت کے روز بھی اسی طرح) مال و اولاد ضرور دیئے جائیں گے، وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے (خدا کے) رحمان سے (کوئی) عہد لے رکھا ہے، ہر گز نہیں! اب ہم وہ سب کچھ لکھتے رہیں گے جو وہ کہتا ہے اور اس کے لئے عذاب (پر عذاب) خوب بڑھاتے چلے جائیں گے، اور (مرنے کے بعد) جو یہ کہہ رہا ہے اس کے ہم ہی وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا (اس کے مال و اولاد ساتھ نہ ہوں گے)، اور انہوں نے اللہ کے سوا (کئی اور) معبود بنائے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعثِ عزت ہوں، ہر گز (ایسا) نہیں ہے، عنقریب وہ (معبودانِ باطلہ خود) ان کی پرستش کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن ہو جائیں گے (19: 77-82)

یہ تمام اخلاقی نظریات کو خارج کرنے اور مادی اقدار پر اصرار کی ایک اور مثال ہے کہ دنیاوی کامیابی ہی وہ چیز ہے جو زندگی میں شمار ہوتی ہے۔ کامیابی کا مادیت پسندانہ تصور دولت اور بچوں کے اضافے کے مترادف ہے۔ یہ لوگ دولت و اقتدار کی عبادت تقریباً مذہبی عقیدت کے ساتھ ہی کرتے ہیں اور دنیاوی کامیابی کے ان مظاہروں کو خدائی قوتوں کی حیثیت سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تنہا حالت میں نظر آئیں گے کسی چیز سے فائدہ اٹھانے اور کسی بھی طرح کی حمایت سے محروم رہیں گے اور صرف خدا کے فضل و کرم پر انحصار کریں گے۔

کیا دولت مند خدا کی حمایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے (ہمیشہ یہی) کہا کہ تم جو (ہدایت) دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں، اور انہوں نے کہا کہ ہم مال و اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا، فرما دیجئے: میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (34: 34-36)

جو لوگ دولت کی تلاش میں تمام اخلاقی غور و فکر سے خارج ہو جاتے ہیں وہ اعلان کریں گے کہ زندگی میں صرف ایک ہی مقصد ہے جو کہ محض مادی فوائد سے لطف اندوز ہونا ہے۔ مادی طور پر کامیاب زندگی ایک "صحیح راہ پر" ہونے کا ثبوت ہے۔ وہ بے وقوف، دولت اور غربت کو خدا کے حق یا ناگوار ہونے کا اشارہ سمجھتے ہیں۔ یہ بیان بہت سارے لوگوں کے اس عقیدے کی تردید کرتا ہے کہ مادی خوشحالی انسانی کوششوں کا جواز ہے یہاں تک کہ ماحولیات یا روحانیت کی قیمت پر بھی۔

یہ سودی فوائد کے ذریعے ہی تھا کہ مکہ کے کافروں نے دولت حاصل کی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی طاقت و رفوج کو لیس کر سکتے تھے۔ انہوں نے احد میں ناقص مسلح مسلمانوں کو تقریباً شکست دے دی تھی مؤخر الذکر کو اس سلسلے میں اپنے دشمنوں کی تقلید کرنے کی آزمائش ہوگی۔ یہ ان سے اور مومنوں کی بعد کی نسلوں سے فتنے کو دور کرنا تھا کہ سود کی ممانعت پر دوبارہ وحی کے ذریعہ زور دیا گیا۔

اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تاکہ (تمہارا اثاثہ) لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا (30:39)

قرآن مجید کی وحی کی تاریخ میں 'الربا' کی اصطلاح اور تصور کا یہ ابتدائی ذکر ہے۔ لسانی معنوں میں یہ اصطلاح کسی چیز کی اصل رقم سے زیادہ ہونے کا اشارہ دیتی ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاحات میں 'الربا' ایک شخص کے ذریعہ دوسرے شخص کو دی گئی رقم یا سامان کی کسی بھی طرح کی غیر قانونی دلچسپی کی نشاندہی کرتی ہے۔

الربا کا متلاشی سود خور قرضوں کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع کو جوڑتا ہے جس میں وسائل کے ذریعہ معاشی طور پر کمزور کا استحصال شامل ہے۔ قرض دہندہ کی جانب سے اس پیسے پر اس کی مکمل ملکیت ہے چاہے اس کے ادھار لینے والے کو نقصان ہو یا فائدہ۔

زیادہ شرح سود وصول کرنا

اے ایمان والو! دو گنا اور چو گنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ، (130: 3)

خرید و فروخت حلال ہے

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (روز قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے (2: 275)

آخرت کی زندگی میں سزا

پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آگیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (2: 275)

صدقہ کے مخالف 'سود'

اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا (2: 276)

سود، صدقہ کے برخلاف ہے کیونکہ سابقہ، اخلاقی طور پر مؤخر الذکر کے مخالف ہے۔ سچا صدقہ مادی فوائد کی کسی توقع کے بغیر دینے پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ سود قرض دینے والے کی طرف سے کسی بھی طرح کی کوشش کے بغیر فائدہ کی توقع پر مبنی ہوتا ہے۔

اپنے سود سے حاصل فوائد چھوڑ دیں

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقہ دل سے) ایمان رکھتے ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے (2: 278-279)

خیرات کے طور پر قرض کو معاف کر دیں

اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہئے، اور تمہارا (قرض کو) معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو (کہ) غریب کی دل جوئی اللہ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے)، اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ عمل اس نے کیا ہے اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں ہوگا (2: 280-281)

عبد اللہ ابن عباس کے غیر متنازعہ شواہد کے مطابق آیت نمبر 281 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری وحی تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے تھے۔ ساتھیوں کے پاس اس سے متعلق حکم امتناعی کے قانونی مضمرات کے بارے میں پوچھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ عمر بن الخطاب نے معتبر طور پر کہا ہے کہ "قرآن مجید کا آخری انکشاف ہوا جس کا حصول الربا تھا اور رسول خدا ہم سے اس کے معنی بیان کیے بغیر ہی انتقال کر گئے۔" بہر حال قرآن جس شدت کے ساتھ الربا کی مذمت کرتا ہے اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ اس کی نوعیت اور اس کے معاشرتی اور اخلاقی مضمرات کا واضح طور پر کھلا اشارہ دیتے ہیں۔

کیا کاروباری قرض پر سود، سود ہے؟

جب کہ الربا کے تصور اور عمل کی قرآنی مذمت، غیر متنازعہ اور حتمی ہے لیکن ہر متوقع مسلم نسل کو اس اصطلاح کو نئی جہتوں اور تازہ معاشی معنی دینے کے چیلینج کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے بدلے میں اس سے بہتر لفظ کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ "سود" پچھلی صدی تک اس آیت کو تمام قرضوں کا پابند سمجھا گیا تھا حالانکہ تحفوں کے بارے میں اکثر غیر رسمی تفہیم ہوتی تھی جو قرض لینے والا قرض دینے والے کو اپنی تعریف کے اظہار کے طور پر کرتا ہے۔

آہستہ آہستہ انیسویں صدی میں مسلم ممالک میں نجی کاروبار کے آگے بڑھنے کے ساتھ اس آیت کی دوبارہ تشریح کی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضروریات کی امداد کے لئے استعمال ہونے والے قرضوں پر سود وصول نہیں کیا جانا چاہیے۔ پھر بھی کاروباری مقاصد کے لئے قرضوں پر یہ پابندی لاگو نہیں ہوئی۔ چونکہ مؤخر الذکر کا قرض لینے والے کو نفع پہنچانے کے لئے ترتیب دیا گیا تھا لہذا یہ محسوس کیا گیا کہ قرآن اس مقصد کے تحت قرض دینے والے کو اس منافع سے خارج کرنے کا ارادہ نہیں کر سکتا تھا۔ رہن سہن اور کار قرضوں پر ادا کی جانے والی قسطوں کو سود کے بجائے کرایہ کے طور پر قرار دیا جانا چاہئے۔ اس تشریح کے ساتھ یہ غالب مسلم نظریہ ہے کہ اسلام اور ہمدرد سرمایہ دارانہ نظام کے مابین کوئی مطابقت نہیں ہے۔

کریڈٹ کے لئے تحریری لین دین

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہئے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے، پس وہ لکھ دے (یعنی شرع اور ملکی دستور کے مطابق وثیقہ نویسی کا حق پوری دیانت سے ادا کرے)، اور مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق (یعنی قرض) ہو اور اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (ذر قرض) میں سے (لکھوائے وقت) کچھ بھی کمی نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب ہوا ہے نا سمجھ یا ناتواں ہو یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے کارندے کو چاہئے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوادے (2: 282)

مذکورہ آیت میں یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ لین دین کو لکھ لیا کرو خواہ یہ سراسر قرض ہو یا تجارتی معاہدہ۔ اس کا تعلق دینے والے اور لینے والے دونوں سے ہے اور اس کے مطابق قرآن مجید کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر "مساویانہ طور پر اسے لکھ لو" جو کمزور فریق ہیں وہ ان معاہدوں کو لکھ لیا کریں۔ اگر وہ جسمانی طور پر معذور ہے یا اس طرح کے معاہدوں میں استعمال ہونے والی کاروباری اصطلاحات کو پوری طرح سے نہیں سمجھتا ہے یا وہ اس زبان سے واقف نہیں ہے جس میں معاہدہ لکھا جانا ہے تو اس کے ولی کو حکم دیں۔ جملہ "دماغ یا جسم کا کمزور" (لفظی طور پر "سمجھنے میں کوتاہی یا کمزور") نابالغوں کے ساتھ ساتھ بوڑھے افراد پر بھی لاگو ہوتا ہے جو اب اپنی ذہنی حالت پر مکمل قبضہ نہیں رکھتے ہیں۔

دومر دیا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی

اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، پھر اگر دونوں مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (یہ) ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرتے ہو (یعنی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو) تاکہ ان دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے، اور گواہوں کو جب بھی (گواہی کے لئے) بلایا جائے وہ انکار نہ کریں (2:282)

ماضی میں خواتین کا رو باری دنیا کی عادی نہیں تھیں اور وہ اس سلسلے میں یہ غلطی کر سکتی تھیں۔ یہ شرط جو کہ دو خواتین کو ایک مرد گواہ کے لئے تبدیل کیا جاسکتا ہے اس سے عورت کی اخلاقی یا فکری صلاحیتوں کی کوئی توہین نہیں ہوتی ہے۔

اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اپنی میعاد تک لکھ رکھنے میں اکتایا نہ کرو، یہ تمہارا دستاویز تیار کر لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے اور گواہی کے لئے مضبوط تر اور یہ اس کے بھی قریب تر ہے کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو (2:282)

معاهدے سے پیدا ہونے والے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کو لکھیں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے

سوائے اس کے کہ دست بدست ایسی تجارت ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرتے رہتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں (2:282)

کاتبوں اور گواہوں کے لئے استثنیٰ

اور جب بھی آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری حکم شکنی ہوگی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (معاملات کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (2:282)

اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو با قبضہ رہن رکھ لیا کرو، پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا اسے چاہئے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے، اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو، اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے (2:283)

معاهدہ کے حتمی نتائج یا معاہدہ کرنے والی فریقوں میں سے کسی کے ذریعہ کسی بھی شق کی عدم تکمیل کے لئے نہ ہی گواہ اور نہ ہی کاتب کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ کسی کاروباری لین دین کی "گواہی کو چھپانا نہیں" یا اگر کسی مقروض کو تحریری معاہدے اور گواہوں کے بغیر اعتماد پر قرض دیا جائے اور اس کے نتیجے میں اس کا مقروض سارے عمل سے انکاری ہو جائے۔

وراثت کے قانون

قرآن مجید صرف تین آیات (11:124 اور 176) ہیں جن میں وراثت اور حصوں کی مخصوص تفصیل دی گئی ہے۔ قرآن مجید کی کچھ ذیلی آیات میں وراثت کے قوانین کے دوسرے پہلوؤں کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

وراثت کب تقسیم کی جاتی ہے؟

خیرات

اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو، اور (یتیموں سے معاملہ کرنے والے) لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے تو (مرتے وقت) ان بچوں کے حال پر (کتنے) خوفزدہ (اور فکر مند) ہوتے، سو انہیں (یتیموں کے بارے میں) اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور (ان سے) سیدھی بات کہنی چاہئے (4:8-9)

مقتول کے ورثاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہل خانہ کے ضرورت مند افراد کے لئے فلاحی کام کریں جو حصے کے حقدار نہیں ہیں جو وراثت تقسیم ہونے پر وہاں موجود ہوں۔

وصیت یا قرض کی کٹوتی

(یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہوگی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (4:12)

"جو وارثوں کو نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو" کے جملے سے وصیت اور فرضی قرضوں سے مراد ورثاء کو ان کے قانونی حصے سے محروم کرنا ہے۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے تو کاروبار کا پہلا حکم یہ ہے کہ جنازے کے اخراجات اس کا کوئی قرض غریبوں کے لئے صدقہ اور خاص طور پر اس کے اہل خانہ کے مستحق ممبروں کو (وصیت کے مطابق) دینا۔ اور (4:11-12) میں مذکور قانونی طور پر طے شدہ حصص کی تقسیم سے پہلے۔ اس کے بعد باقی رہائشی جائیداد ورثاء میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔

وارث کون ہیں؟

خواتین کو وراثت کا حق دیا گیا

مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے (4: 7)

اور ہم نے سب کے لئے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں حق دار (یعنی وارث) مقرر کر دیئے ہیں، اور جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے سو انہیں ان کا حصہ دے دو، بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے، (4:33)

اسلام سے قبل عرب میں والدین کے پیچھے چھوڑی گئی جائیداد کے وارث ہونے کا حق صرف مردوں یا بعض اوقات صرف پہلے پیدا ہونے والے مرد تک ہی محدود تھا۔ مذکورہ آیت (4:7) کے مطابق یہ پہلا موقع تھا جب عرب خواتین کو وراثت میں حصہ دیا گیا تھا۔ خواتین کو وراثت کا حق دینا (حالانکہ جزوی طور پر) زمان و تاریخ کے تناظر میں ایک انقلابی اقدام تھا۔ ایسے حالات میں چودہ سو سال پہلے خواتین کو وراثت میں مساوی حقوق دینا ناقابل فہم ہوتا۔ کنبہ نے خاندان کے تمام افراد کے لئے وراثتی نظام کو اپنا کر قبیلے کو بنیادی معاشرتی اکائی کے طور پر تبدیل کیا۔

قانونی وارثوں کا شیعہ نظام

شیعہ قانون، قانونی وراثت کو تین بنیادی کلاسوں میں تقسیم کرتا ہے: کلاس 1: والدین اور بچے کلاس 2: داد ادا دی بھائی اور بہنیں اور کلاس 3: ماموں اور خالہ۔ جب تک کہ ورثہ کلاس 1 سے موجود ہے کوئی بھی کلاس 2 میں وراثت کا حقدار نہیں ہے اور اسی طرح سے باقی۔

مردوں کے لئے ترجیحی سلوک

اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے (4:11)

مرد عورتوں پر محافظ و مستقیم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں (4:34)

وراثت کے قوانین میں دو وجوہات کی بنا پر مردوں کے ساتھ خواتین پر ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اسلامی قانون مرد پر کنبہ کی دیکھ بھال کا بوجھ ڈالتا ہے۔ پہلا رہنمائی اصول یہ ہے کہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصہ لیتا ہے۔ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کرے۔ "اس نے عورت کی دیکھ بھال کی۔" جسمانی دیکھ بھال اور حفاظت کے تصورات کے ساتھ ساتھ اخلاقی ذمہ داری کی نشاندہی کرتی ہے۔ تاہم آج کی دنیا میں ایک گھرانے میں اب دو آمدنی والے افراد کا ہونا معمول بن گیا ہے اور اب رزق کمانے والے صرف مرد ہی نہیں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو عورتیں اس کے والدین کی طرف سے کسی بھی رزق کے علاوہ شوہر سے جہیز کی حقدار ہوتی ہیں۔ جہیز ایک ایسا تحفہ ہے جو شادی کا معاہدہ کرنے پر عورت کے واحد ملکیت کے طور پر دیا جاتا ہے اور یہ اس کے شوہر کی جائیداد سے وراثت کے حقوق میں پیش قدمی ہے۔

آج اسلامی ممالک میں خواتین کی زندگی کی حقیقت اکثر مذہبی قانون کے تحت جائیداد کے وارث ہونے اور ان کے مالک ہونے کے حقوق کی عکاسی نہیں کرتی ہے۔ کچھ عرب معاشروں میں دلہن کا باپ، دولہا اور اس کے اہل خانہ کے ذریعہ دیا ہوا جہیز رکھتا ہے۔ چونکہ زیادہ تر خواتین معاشی طور پر مردوں پر منحصر ہوتی ہیں لہذا ان کے مرد رشتہ داروں کی جبری حمایت کے ضامن کے بدلے میں وراثت میں ملنے والی دولت ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

انڈیا۔ پاکستان معاشرے میں دلہن کو پیشگی تحفہ دینے کی رسم کو مسح کر دیا گیا ہے۔ شوہر کا کنبہ دلہن کے کنبہ کی طرف سے جہیز مانگتا ہے اور فوائد لیتا ہے یہ روایت ہندو مذہب سے اپنائی گئی ہے اور * قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔

کب صرف بیٹیاں وارث ہوتی ہیں؟

پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لئے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے (4:11)

اگر مرنے والے کے بیٹے یا والدین نہیں صرف بیٹیاں ہی ہیں خواہ وہ دو یا زیادہ ہوں وہ جائیداد کے دو تہائی حصے کے وارث ہیں۔ اگر صرف ایک ہی بیٹی متوفی والدین سے بچ جاتی ہے تو اسے اس کا ایک آدھا حصہ مل جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ باقی دولت کا کیا ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان چاہے کہ وہ تمام رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف اپنی بیٹیوں کو اپنی تمام جائیداد کا وارث بنائے تو وہ اپنی زندگی میں ہی اسے ایک عمدہ تحفہ کے طور پر دینے پر غور کر سکتا ہے۔

مثال: اگر کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور بیٹی اور بھائی پیچھے رہ جاتے ہیں تو سنی یا شیعہ قانون فیصلہ کرے گا کہ رہائشی املاک کس کو حاصل ہے۔ سنی تفسیر کے مطابق بیٹی آدھے حصہ دار کی حیثیت سے مستحق ہے۔ مقتول کا بھائی باقی کا وارث ہو گا۔ شیعہ تشریح (جس کو واپسی کا اصول بھی کہا جاتا ہے) کے تحت بیٹی کا پہلا حصہ، حصہ دار کے طور پر ہو گا جبکہ دوسرا آدھا بھی اس کے پاس واپس آئے گا۔ کیونکہ بیٹی کلاس 1 اور بھائی کلاس 2 سے تعلق رکھتا ہے جب تک کہ ورثہ کلاس 1 سے موجود ہے کوئی بھی کلاس 2 میں وراثت کا حقدار نہیں ہے میت کے بھائی کو شیعہ قوانین کے تحت کچھ بھی نہیں ملے گا۔ وراثت کے قوانین کا شیعہ نقطہ نظر غمزدہ جماعت کو میراث دے کر انصاف کے تقاضے کو پورا کرتا ہے جس نے اپنا فائدہ اٹھانے والا کھو دیا ہے اور یہ خواتین کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہیں کرتا ہے۔

والدین کے حصے

اور مُورِث کے ماں باپ کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مُورِث کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر اس میت (مُورِث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے)، پھر اگر مُورِث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہو گی)، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے، یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی مقرر) ہے (4:11)

اگر میت کے والدین زندہ اور کوئی بچہ یا بچے بھی ہوں تو والدین میں سے ہر ایک (حصہ دار) وراثت کے چھٹے حصے کا حقدار ہے اور باقی بچوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس مثال میں میت کی والدہ کو میت کے والد کے ساتھ برابر کا حصہ ملتا ہے۔

اگر والدین واحد وارث ہیں تو والدہ کے حصے میں ایک تہائی ہو گا۔ چونکہ والدین کا تذکرہ کیا جاتا ہے باپ خود بخود ایک رہائشی وارث بن جاتا ہے اور باقی حصص میں سے دو تہائی حصص وراثت میں ملتا ہے۔

بیوی کی جائیداد سے شوہر کا حصہ

اور تمہارے لئے اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (4:12)

اگر متوفی عورت اپنا شوہر پیچھے چھوڑتی ہے اور ان کا کوئی بچہ نہیں ہے تو شوہر بنیادی حصے دار کی حیثیت سے اپنی بیوی کی جائیداد کا 50 فیصد حاصل کرے گا۔ چونکہ وہ بے اولاد ہے لہذا باقی 50 فیصد اس کے لواحقین کو رہائش گاہ کے طور پر الاٹ کر دیئے جائیں گے۔

اگر مرحومہ عورت نے، یا تو اپنے اسی شوہر سے جس کے ساتھ رہ رہی تھی یا سابقہ شوہر سے کوئی بچہ چھوڑے ہیں تو شوہر کو ایک چوتھائی حصص ملتے ہیں اور اس کے بچوں کو باقی رہائش گاہ کے طور پر مل جاتے ہیں۔

شریک حیات کی جائیداد سے حصہ

اور آپ کی بیواؤں کو آپ کے پیچھے ترکہ میں ایک چوتھائی ملے گا، بشرطیکہ آپ نے کوئی بچہ نہ چھوڑا ہو؛ (باقی تین چوتھائی ممکنہ طور پر اس کے لواحقین کو ملے گا) اگر آپ نے کوئی بچہ چھوڑا ہے تو اس کے پاس آٹھواں حصہ ہو گا جو آپ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لئے انہیں ایک سال تک کا خرچہ دینے (اور) اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیت کر جائیں، پھر اگر وہ خود (اپنی مرضی سی) نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے (2: 240)

بیوہ، بچوں کے ساتھ آٹھویں حصے کی وارث ہوگی اور باقی بچوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ بیوہ کو اپنے موخر جہیز ایک سال کی بحالی اور اپنے شوہر کی جائیداد میں سے قرآن کے مطابق حصہ لینے کا حق ہے۔ اس کے متوفی شوہر کے گھر میں بیوہ کی رہائش کا سوال صرف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب اس کو ان شرائط کے مطابق وصیت نہ کی گئی ہو جو (4: 12) میں بیان کی گئی ہیں۔ بیوہ کی دوبارہ شادی ہونے کی صورت میں وہ سال کے بقیہ حصے میں اپنے اضافی دیکھ بھال کا دعویٰ چھوڑ دیتی ہے۔

اگر صرف بھائی اور بہنیں ہی وارث ہوں

لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا) بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر (کلالہ بھائی کی موت پر) دو (بہنیں وارث) ہوں تو ان کے لئے اس (مال) کا دو تہائی (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور اگر (بصورت کلالہ مرحوم کے) چند بھائی بہن مرد (بھی) اور عورتیں (بھی وارث) ہوں تو پھر (ہر) ایک مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا۔ (یہ احکام) اللہ تمہارے لئے کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (4: 176)

اگر کوئی بچہ وارث نہیں ہے

اگر میت کے بھائی اور بہنیں ہیں تو ماں کا حصہ کم ہو کر چھٹا ہو جاتا ہے۔

سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی بہنوں کے حصص

اور اگر کسی مرد یا عورت کا کوئی سگا وارث نہیں ہے لیکن اس کا (سوتیلا) بھائی یا (سوتیلی) بہن ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر دو سے زیادہ ہیں تو وہ [وراثت میں سے ایک تہائی] حصہ لیں گے۔ یہ [کسی کوئی] کرنے کے بعد یا کسی بھی قرض [جو ہو سکتا ہے] کے بعد ہے۔ جن میں سے کوئی بھی [وارثوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔]

اس کا مطلب سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی بہنوں سے ہے۔ اگر کوئی اور ورثاء ہیں تو وہ باقی وراثت میں سے حصص حاصل کرتے ہیں۔ بصورت دیگر میت کی مرضی باقی املاک پر لاگو ہوتی ہے۔

آگ کی سزا

یہ خدا کی طرف سے حکم ہے: اور خدا ہر بات سے واقف ہے۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا (4: 13-14) وراثت کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سخت سزا کا وعدہ کیا گیا ہے۔

آخری وصیت اور عہد نامہ

ریکارڈنگ اور لکھنا

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آئے تو وصیت کرتے وقت تمہارے درمیان گواہی (کے لئے) تم میں سے دو عادل شخص ہوں یا تمہارے غیروں میں سے (کوئی) دوسرے دو شخص ہوں اگر تم ملک میں سفر کر رہے ہو پھر (اسی حال میں) تمہیں موت کی مصیبت آپہنچے تو تم ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو، اگر تمہیں (ان پر) شک گزرے تو وہ دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی قیمت حاصل نہیں کریں گے خواہ کوئی (کتنا ہی) قربت دار ہو اور نہ ہم اللہ کی (مقرر کردہ) گواہی کو چھپائیں گے (اگر چھپائیں تو) ہم اسی وقت گناہگاروں میں ہو جائیں گے، پھر اگر اس (بات) کی اطلاع ہو جائے کہ وہ دونوں (صحیح گواہی چھپانے کے باعث) گناہ کے سزاوار ہو گئے ہیں تو ان کی جگہ دو اور (گواہ) ان لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کا حق پہلے دو (گواہوں) نے دیا یا ہے (وہ میت کے زیادہ قربت دار ہوں) پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ بیشک ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم (حق سے) تجاوز نہیں کر رہے، (اگر ایسا کریں تو) ہم اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے، یہ (طریقہ) اس بات سے قریب تر ہے کہ لوگ صحیح طور پر گواہی ادا کریں یا اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ (غلط گواہی کی صورت میں) ان کی قسموں کے بعد (وہی) قسمیں (زیادہ قریبی ورثاء کی طرف) لوٹائی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو غور سے) سنا کرو، اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا (5: 106-108)

(108)

جب کسی کنبہ کے فرد کی موت قریب آتی ہے تو ورثہ کو وصیت کے وقت گواہ کے طور پر کام کرنا چاہئے۔ اگر وہ شخص سفر کر رہا ہے اور اچانک بیمار ہو جاتا ہے تو پھر مسلم معاشرے میں سے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔

ایک وصیت کو تبدیل کرنے کا گناہ

پھر جس شخص نے اس (وصیت) کو سننے کے بعد اسے بدل دیا تو اس کا گناہ انہی بدلنے والوں پر ہے، بیشک اللہ بڑا سننے والا خوب جاننے والا ہے، پس اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے (کسی کی) طرف داری یا (کسی کے حق میں) زیادتی کا اندیشہ ہو پھر وہ ان کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے (2: 181-182)

اگر کسی شخص نے وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اپنی مرضی سے رد و بدل کیا تو گناہ صرف اس پر بدلاؤ کرنے والوں پر ہے نہ کہ کسی کو جس نے انجانے میں اس تبدیلی سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اگر وصیت کرنے والے نے غلطی کی ہے یا جان بوجھ کر غلط کام کیا ہے تو متعلقہ فریقین کی مشترکہ رضامندی سے عہد نامے کی دفعات کو نظر انداز کرنے والی ایک تصفیہ ناجائز سمجھی جاتی ہے۔

اہل کنبہ کے مستحق افراد سے درخواست

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیز گاروں پر لازم ہے (2: 180)

اگر کسی کو توقع ہے کہ وہ نہ صرف جائیداد بلکہ بہت ساری دولت پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ وصیت کے ذریعے اپنے خاندان کے خاص مستحق افراد کو اس میں سے حصہ دے سکتا ہے جیسا کہ (4: 11, 12) میں بیان کیا گیا ہے اس تشریح کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے ہوتی ہے یہ دونوں اس مخصوص آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ کچھ مبصرین کا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی قانونی وارث کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑ سکتا ہے اور وراثت کے قوانین کے ذریعہ طے شدہ حصص میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر والدین بچوں اور شریک حیات میت کے براہ راست قانونی وارث ہونے کی وجہ سے مذکورہ آیت میں والدین کا واضح طور پر ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ عہد نامہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنیاد پر جائیداد کا ایک تہائی حصہ محدود ہے۔

ایک تہائی تک وصیت کو کیوں محدود رکھیں؟

متعدد مستند روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا کہ جہاں قانونی وارث موجود ہوں تو وہاں کوئی شخص ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت دوسروں کو نہ کرے۔ اگر وراثت کے کچھ حصہ کے قانونی طور پر حقدار قراہندار نہیں ہیں تو وصیت کرنے والا آزادانہ طور پر اپنی خوش قسمتی کو جس طرح چاہے چھوڑ دیتا ہے۔ اس حد کے پیچھے حکمت یہ ہے کہ والدین اپنی تمام جائیداد اپنے "پسندیدہ" بچے کو دے کر، باقی بچوں کو ان کی قانونی وراثت سے محروم نہ کر سکیں۔ مغربی نظام کے تحت والدین اپنی جائیداد کسی کو بھی کسی بھی صورت میں دے سکتے ہیں۔

اپنیڈکس 8 دیکھیں "وراثت کے قوانین میں عدم مساوات کے حل"

گورنس

35

جمہوریت اور اسلام

رضامندی سے حکومت

اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے (3: 159)

حکم انتاعی اور کونسل کے ذریعہ حکومت کو نافذ کرنا ان کو فن حکمرانی سے متعلق تمام قرآنی قوانین کی بنیادی شقوں میں سے ایک سمجھا جانا چاہئے۔ ضمیمہ "ان" کا تعلق پوری برادری اور "عوامی تشویش کے تمام امور بشمول ریاستی انتظامیہ سے ہے۔" اگرچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کیا جاتا ہے لیکن یہ تمام مسلمانوں اور ہر وقت کے لئے پابند ہیں۔ پیغمبر ہمیشہ اپنے آپ کو اپنی مجلس کے فیصلوں کا پابند سمجھتے تھے چاہے وہ اس کی رائے کے خلاف ہو۔ مزید یہ کہ جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان سے پوچھا گیا کہ مذکورہ آیت میں "عجم" (عمل کے بارے میں فیصلہ کرنا) کے مفہوم کی وضاحت کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا "اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ مشورہ کریں۔ باشعور لوگ اور پھر اس میں ان کی پیروی کریں گے۔"

باہمی مشاورت کے ذریعے فیصلہ

اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے (42:38)

مطلوبہ الفاظ (الشوری یا مشاورت) آیت 38 میں "آپس میں مشاورت" کے جملہ سے ماخوذ ہے۔ جو کسی بھی یقین کرنے والے لوگوں کے معاشرے کے لیے ایک بنیادی اصول ہے مشورہ اسلامی طرز زندگی کا ایک بنیادی ستون ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اس قدر اہم قرار دیا ہے کہ وہ ہمیشہ "مشاورت" (شوری) کے لفظ کے ذریعہ اس سورہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کے پیروکاروں کو یہ یاد دلانا ہے کہ انہیں ایک ہی جماعت (

امت) میں رہ کر رہنا چاہئے اور دوسرا یہ اصول پیش کیا گیا ہے کہ باہمی مشاورت سے ان کے تمام فرقہ وارانہ کاروبار سے متعلق معاملات طے کرنے چاہئے۔

ایک مشہور حدیث میں بیان کردہ اصول کے مطابق "میری جماعت کبھی بھی کسی غلطی پر راضی نہیں ہوگی" اجتماعی زندگی کے معاملات مشورے کے بغیر انجام دینا، خدا کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ انصاف کا مطالبہ ہے کہ ان تمام لوگوں سے مشورہ کیا جائے جن کے مفادات کسی معاملے میں شامل ہیں۔ اگر یہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد سے متعلق ہے تو ان کے نمائندے کو مشاورت کے لئے فریق کے طور پر شامل کیا جانا چاہئے۔ امور اتفاق رائے کے ذریعے طے پانے والے یا اکثریتی رائے سے مشاورت کے مطابق طے کرنے چاہیے۔ اگر یہ گھریلو معاملہ ہے تو شوہر اور بیوی کو باہمی مشورے سے کام کرنا چاہئے اور بالغ بچوں سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔

کیا عورت ریاست کی سربراہ ہو سکتی ہے؟

میں نے (وہاں) ایک ایسی عورت کو پایا ہے جو ان (یعنی ملک سب کے باشندوں) پر حکومت کرتی ہے اور اسے (ملکیت و اقتدار میں) ہر ایک چیز بخشی گئی ہے اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے (27:23)

بادشاہ اور ڈکٹیٹر زبد عنوانی کا سبب بنتے ہیں

(ملکہ نے) کہا: بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کر ڈالتے ہیں اور یہ (لوگ بھی) اسی طرح کریں گے (27:34)

شاہ سلیمان اور شیبہ کی ملکہ کی کہانی پڑھیں جہاں قرآن بادشاہوں اور آدمیوں کی مذمت کرتا ہے۔ جب بادشاہ غلط طریقے سے قبضہ کرتے ہیں اور جبری طور پر اپنی رعایا پر مطلق اقتدار رکھتے ہیں تو وہ زمین میں بد عنوانی پھیلاتے ہیں۔ اس کے بیان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تشدد کے ذریعے حاصل کی جانے والی اور برقرار رکھی جانے والی تمام سیاسی طاقتوں کی قرآنی مذمت ہے کیونکہ یہ ظلم اذیت اور اخلاقی بد عنوانی کو جنم دینے کے پابند ہیں۔

دوستانہ مخالفت اور اختلاف کا حق

(سچے) مومنین صرف وہی ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ کیا (اے رسولِ معظم!) بیشک جو لوگ (آپ ہی کو حاکم اور مرجع سمجھ کر) آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھنے والے ہیں، پھر جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے (جانے کی) اجازت چاہیں تو آپ (حاکم و مختار ہیں) ان میں سے جسے چاہیں اجازت مرحمت فرمادیں اور ان کے لئے (اپنی مجلس سے اجازت لے کر جانے پر بھی) اللہ سے بخشش مانگیں (کہ کہیں اتنی بات پر بھی گرفت نہ ہو جائے)، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے، (اے مسلمانو!) تم

رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی تمہاری مثل کیسے ہو سکتی ہے) (63-62: 24)

"اس کے ساتھ" (ضمیر ذاتی) کا تعلق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور مشابہت سے ہر جائز مسلمان حکمران سے بھی ہے۔ اگر کوئی گروہ اتفاق رائے سے کوئی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور آپ کو اس سے اختلاف ہو تو آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرو اس اصول سے "وفادار حزب اختلاف" کو تقویت ملتی ہے جو فرقہ وارانہ یا ریاستی پالیسی کے کسی خاص نکتہ پر عدم اتفاق کے امکان کو ظاہر کرتا ہے اور مشترکہ مقصد کے لئے مکمل وفاداری کے ساتھ ملتا ہے۔

معاشرے کے مفادات کے خلاف، فرد یا افراد کی پیش کردہ وجوہات پر وزن کرنے کے بعد "آپ اس کی اجازت دیں"۔ اس بیان سے کہ "خدا بہت بخشنے والا ہے" واضح طور پر اس بات کا مطلب ہے کہ متفقہ طور پر عمل میں شریک ہونے سے "چھٹی مانگنے" سے پرہیز کرنا ہر حال میں اخلاقی طور پر ترجیح دینے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فاضل قول کہ "میری جماعت کے علمائے کرام میں اختلاف رائے خدائی فضل کا نتیجہ ہے" میڈیا اور حزب اختلاف کی جماعتوں کے ذریعہ حکومت پر تعمیری تنقید کی بنیاد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "تم پر حکمران ہوں گے جو صحیح اور غلط کاموں کو انجام دیں گے۔ جو غلط کاموں کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ اسے ذمہ داری سے بری کر دیا جائے گا اور جو غلط کاموں کو ناپسند کرتا ہے وہ سزا سے بھی بچ جائے گا۔ لیکن جو لوگ ان کی منظوری دیتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں ان کو سزا ہوگی۔

اچھے کاموں اور برے کاموں سے رکنے کا حکم دیں

(یہ اہل حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے) (22:41)

تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (110: 3)

برائی سے روکنے میں حکومت کا فرض عام طور پر عوام میں ظاہر ہونے والی برائی پر لاگو ہوتا ہے۔ تاہم اگر یہ پوشیدہ ہے تو حکومت کو برائی سے تعزیت کرنے کے مترادف نہیں ہونا چاہئے۔ قانون نافذ کرنے والا ادارہ برائی سے روکنے کے بہانے کی آڑ میں کسی کے گھر کے تقدس کو پامال نہیں کر سکتا ہے۔

اچھے کاموں اور ظلم سے روکنے کا حکم قرآنی تعلیمات میں آزادی کی ضمانت کے ذریعہ متوازن ہونا چاہئے۔ مثال کے طور پر پولیس کی غیر اخلاقی سرگرمیاں اور شہریوں کی جاسوسی غیر اسلامی عمل ہے۔ اچھے کاموں کو فروغ دینے اور برائی سے بچنے کے حکم نے صدیوں سے مسلم امت کو متاثر کیا ہے جو سیاسی اور اخلاقی سرگرمی کے لئے ایک دلیل پیش کرتا ہے۔

تنازعات کو حل کرنا اور انصاف، سب کے لیے

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبانِ امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے (4: 58-59)

"لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو" سے مراد عدالتی معنوں کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے مقاصد رویوں اور طرز عمل کا جائزہ لینا بھی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت اسلامی ریاست کے انعقاد کے لئے انفرادی اور نظریاتی اساس کے لئے ایک اصول حکمرانی بیان کرتی ہے۔ سیاسی طاقت، خدا کی امانت ہے اور اسی کی طاقت کے تابع ہوتی ہے، جس طرح اسلامی قانون پر مشتمل احکام میں ظاہر ہوتی ہے حق خود اریت کا اصل مالک صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔

قرآن، اللہ کی عبادت کے معاشرتی نکتے پر تاکید کرتا ہے کیوں کہ یہ زمین پر اور ایسے معاشرے میں ہے کہ جہاں خدا کی حکمرانی غالب ہے۔ مسلمان اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے مطابق انصاف پسند معاشرے کے نفاذ کے لئے پر عزم سمجھتے ہیں۔ اس میں عقائد اور اعمال شامل ہیں۔ مسلمانوں کو نہ صرف جاننا اور ماننا چاہئے بلکہ عمل اور عمل درآمد بھی کرنا چاہئے۔ مسلم کمیونٹی کو مذہبی اہمیت حاصل ہے اس بات کی علامت کے طور پر کہ اللہ نے انسانیت کو ظلم اور نا انصافی سے نجات دلانے کی اس کوشش کو برکت دی ہے۔ اس کی سیاسی صحت، ایک مسلمان کی روحانیت میں ایک مقدس مقام رکھتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پہلی مسلم امت کو عملی طور پر ایسے معاشرے کی مثال دیتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے جو قرآن کے دیے گئے اصولوں پر انصاف کرتے ہیں

مسجد و ریاست کا اتحاد

اتحاد اور اللہ کی حکمرانی ایسے نظریات ہیں جو کہ اسلام میں محفوظ ہیں، اس کی حکمرانی مرضی اور قوانین جامع ہیں جو تمام مسلمانوں اور زندگی کے تمام پہلوؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مذہب ریاست قانون اور معاشرے کا لازمی حصہ ہے۔ عیسائیت کی طرح سیاست کسی مسلمان کی ذاتی مذہبی زندگی کے لئے خارجی نہیں ہے۔

غیر مسلموں پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کیے جائیں گے کیونکہ اس سے قرآن کے ایک بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہوگی: "عقیدہ کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔" غیر مسلموں کو اپنی روایات اور تقاضوں کے مطابق اپنے اپنے قوانین کے ضابطے رکھنے کی اجازت ہے۔ مذہب اور حکومت کو الگ نہیں کیا جاتا ہے اور تمام عقائد کو نظریاتی طور پر عوامی زندگی میں شامل کیا جاتا ہے اور یوں یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ تمام مذاہب کو مساوی سمجھا جائے اور ان کے ماننے والوں کو مساوی حقوق دیئے جائیں۔ مذہبی اقلیتیں پوری دینی مساوات اور رواداری کے تقاضوں سے کہیں زیادہ اعزاز کے مستحق ہیں۔

امریکی تجربہ

آج کے بہت سے اسلامی معاشروں میں انسانی آزادیوں کی کمی ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ اور کچھ یورپی ممالک اصولی طور پر نام نہاد اسلامی ممالک سے زیادہ اسلامی ہیں۔ امریکہ مذہب کی آزادی کا ایک اشارہ ہے۔ مذہب کی آزادی کا حق امریکی آئین کی پہلی ترمیم میں مجسم ہے:

"کانگریس مذہب کے قیام یا اس کے آزادانہ استعمال کی ممانعت یا آزادی اظہار رائے یا پریس یا لوگوں کے پر امن طریقے سے جمع ہونے کے حق کو روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں بنائے گی اور شکایات کے ازالے کے لئے حکومت سے درخواست کرے گی۔" "حقوق انسانی کا بل حکومت کو مذہب کے قیام سے منع کرتا ہے اور امریکی حکومت کو ایک مذہب کو دوسرے مذہب کی نسبت برتری دینے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ نقطہ نظر تمام مذاہب کو عوامی زندگی سے خارج کرتا ہے اور کسی بھی مذہبی چیز کو جو کہ ذاتی زندگی سے جڑی ہے اس کو ترتیب دیتا ہے۔ تاہم عملی طور پر سیکولر نقطہ نظر ہمارے زمانے میں مذہبی آزادی کی سب سے کامیاب شکل رہی ہے۔"

جمہوریت اور اسلام

انسانی معاشرے نے ترقی کی ہے یہاں پہلے لوگ خانہ جنگی کی حالت میں ہوتے تھے پھر بادشاہت کا دور چلتا رہا جہاں پر آزادی کو صرف ایک خاص طبقے تک محدود کر دیا گیا اور آخر کار جمہوری نظام آیا جس میں ہر کوئی اپنے معاملات میں آزاد ہے اسلامی حکومت اس اصول پر مبنی ہے کہ جن لوگوں پر حکومت کی جارہی ہے ان کی مرضی شامل ہو

ابتدا ہی سے پہلے پہل مسلمان جمہوریت کی ایک ابتدائی شکل پر عمل پیرا تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بزرگوں اور قبائلی سرداروں نے پہلے خلیفہ کا انتخاب کیا یہ عمل جدید دور کی پارلیمانی جمہوریت کی طرح تھا۔ قرآنی حکم کے بعد "اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے" (42:38) پیغمبر اسلام نے اپنے جانشین کا نام نہیں لیا۔

پرامن اقتدار کی منتقلی

تاریخی طور پر اسلامی حکومتوں کے پاس اقتدار کی پرامن منتقلی کے لئے ایک طریقہ کار کی کمی ہے۔ ایک عظیم المیے میں شامل تین عظیم خلیفوں — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور ان گنت خانہ جنگی شامل ہیں کیوں کہ

وہاں پر امن طریقے سے حکمرانوں کی جگہ لینے کا کوئی عمل نہیں تھا۔ جدید جمہوریت، اقتدار کی منتقلی کا پر امن طریقہ کار مہیا کرتی ہے جس کے نتیجے میں طویل عرصے میں زیادہ مستحکم اور پر امن معاشرے پیدا ہوتے ہیں۔

جمہوریت کی شرط

فکری آزادی، ایک صحت مند جمہوری نظام کی اساس ہے۔ اس میں نظریات کو منعقد کرنے و وصول کرنے اور پھیلائے کی آزادی شامل ہے۔ لوگوں کو خود حکومت کرنے کے لیے انہیں اچھی طرح سے آگاہ کرنا چاہئے۔ جمہوریت کسی بھی دوسرے انسانی ادارے کی طرح ایک کامل نظام نہیں ہے۔ ونسن چرچل نے ایک بار کہا تھا "جمہوریت، حکومت کی بدترین شکل ہے سوائے ان تمام شکلوں کے جو وفا و فقا آزمائی جاتی رہی ہے۔" جمہوریت کی ایک خامی یہ ہے کہ اکثریتی حکمرانی کے نتیجے میں اقلیت پر اکثریت کے ظلم و ستم کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ایک ایسا آئین جو اقلیتوں کے حقوق شہری آزادیوں اختیارات کی علیحدگی آزاد عدلیہ آزاد پریس اور مضبوط مخالفت کی حفاظت کرتا ہے حکومت کے یک نظریہ اقتدار کو روکنے کے لئے یہ تمام ضروری عناصر ہیں۔

میرٹ بمقابلہ اشرافیہ

جمہوریت دو ستونوں پر مشتمل ہے: آزادی اور مقبول خود مختاری یا خود حکومت۔ لبرٹی میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں حکومتیں جو کام کرتی ہیں جیسے قانون کی حکمرانی کو نافذ کرنا بنیادی ڈھانچے کی فراہمی اور بنیادی خدمات انجام دینا۔ مقبول خود مختاری کا مطلب ہے کہ لوگ کس طرح طے کرتے ہیں کہ ان پر کون حکومت کرتا ہے۔ جدید جمہوریت کے تصورات "آپس میں مشاورت" اور "رضامندی سے حکومت" کے دو قرآنی حکم میں مجسم ہیں۔ بادشاہت اور آمریت اسلامی مخالف ہیں کیونکہ حکومت کی یہ شکلیں ہیں۔

ذوالقرنین کی مثال

جب اختتام، وسائل کا جو از پیش کرتا ہے

اور (اے حبیبِ معظم!) یہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فرمادیجئے: میں ابھی تمہیں اس کے حال کا تذکرہ پڑھ کر سناتا ہوں، بیشک ہم نے اسے (زمانہ قدیم میں) زمین پر اقتدار بخشا تھا اور ہم نے اس (کی سلطنت) کو تمام وسائل و اسباب سے نوازا تھا، پس وہ (مزید) اسباب کے پیچھے چل پڑا (18: 83-85)

اگر اہداف اچھے اور عمدہ ہیں اور ان کے حصول کے لیے ہم جو وسائل استعمال کرتے ہیں وہ بھی اچھے اور عمدہ ہیں تو اختتام، وسائل کا جو از پیش کرتا ہے۔ تاہم زیادہ تر لوگ کچھ بھی حاصل کرنے کے لئے اخلاقی طور پر غلط اقدامات کے عذر کے طور پر اس تصور کو استعمال کرتے ہیں۔ ذوالقرنین ایک نیک مقصد کے حصول کے لئے کبھی بھی غیر اخلاقی طریقے استعمال نہیں کرتے تھے۔

ذوالقرنین کون تھے؟

یہ نظریہ ایک طاقتور اور انصاف پسند حکمران کی خصوصیات کو بیان کرتا ہے۔ نام، ذوالقرنین یا دو سینگوں والا ایک طاقت اور عظمت کی علامت کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو کہ قدیم مشرق وسطیٰ میں ایک نظریہ تھا مذکورہ بالا سے، قبل از تاریخ علامت سے بہت ابتدائی زمانے سے ہی عرب واقف تھے۔ اور انہوں نے اسلام کی آمد سے بہت پہلے ہی اپنی زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

قرآن اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے پر زور دیتا ہے اس وجہ سے ذوالقرنین اور سکندر اعظم میں مماثلت نہ تھی، اور نہ ہی قبل از اسلام یمن کے بادشاہوں کے ساتھ۔ وہ تمام تاریخی شخصیات کا فر تھے اور دیوتاؤں کی کثرت کی پرستش کرتے تھے جبکہ ذوالقرنین کو ایک خدا پر پختہ یقین رکھنے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہئے کہ ذوالقرنین کا کسی تاریخ کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں ہے اور یہ کہ اس کا واحد مقصد عقیدہ اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا کو ماننے کے لئے دنیا سے دستبرداری لازمی نہیں ہے۔ دنیاوی زندگی اور طاقت کو روحانی صداقت سے متصادم ہونے کی ضرورت نہیں ہے جب تک کہ ہم انسان کے تمام کاموں کی عارضی نوعیت اور خدا کی طرف اپنی ذمہ داری سے آگاہ رہیں گے جو وقت اور جگہ کی ہر حد سے بالاتر ہے۔

مجرم جماعت کے لئے سزایا ہمدردی

یہاں تک کہ وہ غروبِ آفتاب (کی سمت آبادی) کے آخری کنارے پر جا پہنچا وہاں اس نے سورج کے غروب کے منظر کو ایسے محسوس کیا جیسے وہ (کچھڑ کی طرح سیاہ رنگ) پانی کے گرم چشمہ میں ڈوب رہا ہو اور اس نے وہاں ایک قوم کو (آباد) پایا۔ ہم نے فرمایا: اے ذوالقرنین! (یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے) خواہ تم انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ذوالقرنین نے کہا: جو شخص (کفر و فسق کی صورت میں) ظلم کرے گا تو ہم اسے ضرور سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹا یا جائے گا، پھر وہ اسے بہت ہی سخت عذاب دے گا (86: 18-87)

جب ذوالقرنین اپنی مہم کے دوران مغربی نقطہ پر پہنچے تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ سورج سمندر میں ڈوب رہا ہے۔ عمل کے دو ممکنہ نصاب کے درمیان انتخاب کرنے کی خدائی اجازت — سزایا گناہ گار طبقے کے ساتھ احسان۔ نہ صرف یہ کہ خدا کی طرف سے انسان کو دی جانے والی آزادی کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ حکمران یا حکومت کے لئے کھلے عام معاشرتی یا اخلاقی ترجیح کے اہم قانونی اصول کو بھی قائم کرتا ہے جس سے یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مجموعی طور پر معاشرے کی سب سے بڑی بھلائی کے لئے کیا فائدہ مند چیز ہے۔ یہ ذوالقرنین کی تمثیل کا دوسرا سبق ہے۔ آخرت میں "نا قابل برداشت مصائب" کا مطلب یہ ہے کہ آنے والی زندگی سے متعلق کسی بھی چیز کا کبھی بھی انسانی تجربے کے بارے میں تصور یا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔

صداقت پوری کرنا آسان ہے

اور جو شخص ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے بہتر جزا ہے اور ہم (بھی) اس کے لئے اپنے احکام میں آسان بات کہیں گے، (مغرب میں فتوحات مکمل کرنے کے بعد) پھر وہ (دوسرے) راستہ پر چل پڑا (88: 18-89)

چونکہ نیک سلوک کی انسان سے معمولی توقع کی جاسکتی ہے لہذا اس سے متعلق قوانین بہت زیادہ تقاضا نہیں کریں گے جو اس تمثیل سے اخذ کرنے کا ایک اور سبق ہے۔

خدا کی تخلیقات کو خراب کرنے کی ممانعت

یہاں تک کہ وہ طلوعِ آفتاب (کی سمت آبادی) کے آخری کنارے پر جا پہنچا، وہاں اس نے سورج (کے طلوع کے منظر) کو ایسے محسوس کیا (جیسے) سورج (زمین کے اس خطہ پر آباد) ایک قوم پر ابھر رہا ہو جس کے لئے ہم نے سورج سے (بچاؤ کی خاطر) کوئی حجاب تک نہیں بنایا تھا (یعنی وہ لوگ بغیر لباس اور مکان کے غاروں میں رہتے تھے)، واقعہ اسی طرح ہے، اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم نے اپنے علم سے اس کا احاطہ کر لیا ہے، (مشرق میں فتوحات مکمل کرنے کے بعد) پھر وہ (ایک اور) راستہ پر چل پڑا (90: 18-92)

ذوالقرنین اپنے اس سفر کے مشرقی نقطہ پر چلے اور ان لوگوں کی قدیم قدرتی حالت پائی جن کو دھوپ سے بچنے کے لئے کپڑوں کی ضرورت نہیں تھی۔ تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ ذوالقرنین نے انہیں اسی طرح چھوڑ دیا تھا جس طرح انہوں نے انہیں پایا تھا اور انہیں ذہن میں رکھنا تھا کہ وہ ان کے طرز

زندگی کو پریشان نہ کریں اور انہیں تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس کا عزم "خدا کی تخلیق کو بد عنوان یا تبدیل کرنا" نہیں تھا جو اس تمثیل سے اخذ ہونے والا مزید اخلاقی سبق ہے۔

یاجوج اور ماجوج

"یہاں تک کہ وہ (ایک مقام پر) دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو (کسی کی) بات نہیں سمجھ سکتے تھے، انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج اور ماجوج نے زمین میں فساد پھا کر رکھا ہے تو کیا ہم آپ کے لئے اس (شرط) پر کچھ مال (خراج) مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنادیں" (18: 93-94)

یاجوج اور ماجوج کون تھے؟ یاجوج اور ماجوج وہ شکل ہے جس میں ان ناموں نے (عربی یاجوج اور ماجوج میں) بائبل میں ان کے مخصوص مشکوک حوالوں کی بنیاد پر تمام یورپی زبانوں میں ایک مقام حاصل کیا ہے (جینیسیس 10:12 توارخ 1:5 کیل 2:38 اور 6:39 اور مکاشفہ 8:20)۔ بیشتر بعد از کلاسیکل تبصرہ نگار ان قبائل کی شناخت منگولوں اور تارتاروں سے کرتے ہیں۔ اصطلاحات، یاجوج اور ماجوج بھی قرآن مجید میں مکمل طور پر تخیلاتی اصطلاحات میں استعمال ہوئے ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے تباہی کا ایک سلسلہ ہے جو قیامت کے آنے سے پہلے ہی انسان کی تہذیب کی مکمل تباہی کا سبب بنتا ہے۔

تاریخی واقعہ کی پیش گوئی

کچھ لوگ اس کو کسی خاص تاریخی واقعے کی پیش گوئی کے طور پر سمجھتے ہیں یعنی یاجوج اور ماجوج کے وحشی قبائل کی مستقبل میں پیشرفت جن کا تصور منگولوں اور تارتاروں سے ایک جیسی ہے۔ یہ شناخت ایک اچھی طرح سے تصدیق شدہ روایت پر مبنی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیش گوئی کا خواب دیکھا جس پر انہوں نے پریشانی کے اظہار کے ساتھ فرمایا: "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں! عربوں پر افسوس اس بد بختی سے جو قریب آ رہا ہے: آج یاجوج اور ماجوج کے پہلوؤں میں تھوڑا سا فاصلہ کھل گیا ہے"۔ مسلمان اس خواب میں تیرہویں صدی میں منگول کے عظیم حملے کی پیش گوئی کرنے کی طرف مائل ہیں جس نے عباسی سلطنت اور عربوں کی سیاسی طاقت کو ختم کر دیا۔

ایک دیوار کھڑی کرنا

(ذوالقرنین نے) کہا: مجھے میرے رب نے اس بارے میں جو اختیار دیا ہے (وہ) بہتر ہے، تم اپنے زور بازو (یعنی محنت و مشقت) سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا، تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے (وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی) دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کر دی تو کہنے لگا: (اب آگ لگا کر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بنا ڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ (اب) میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا، پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں نہ اتنی طاقت تھی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اتنی قدرت پاسکے کہ اس میں سوراخ کر دیں (18: 95-97)

"میرے آقا نے مجھے اتنے محفوظ طریقے سے قائم کیا ہے" کے اس جملے سے مراد طاقت اور دولت کے ساتھ ساتھ خدا کی ہدایت کو ذوق فرمیں کو عطا کیا گیا ہے۔ (جلد سات دیکھیں "یا جوج ماجوج پیشرفت، آخری قیامت کی نشانی کے طور پر۔")

غیر اخلاقی قیادت

طاقتور لوگ، بہت بڑے گناہ گاروں کے طور پر

اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ (وہ جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں (اس طرح گھرا) پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح کافروں کے لئے ان کے وہ اعمال (ان کی نظروں میں) خوش نماد کھائے جاتے ہیں جو وہ انجام دیتے رہتے ہیں، اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وڈیروں (اور رئیسوں) کو وہاں کے جرائم کا سرغنہ بنایا تاکہ وہ اس (بستی) میں مکاریاں کریں، اور وہ (حقیقت میں) اپنی جانوں کے سوا کسی (اور) سے فریب نہیں کر رہے اور وہ (اس کے انجام بد کا) شعور نہیں رکھتے (6: 122-123)

چونکہ ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے باقی لوگ انہیں تنقید کا نشانہ نہیں بناتے لہذا "عظیم لوگ" دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اپنے رویوں کے اخلاقی پہلوؤں پر سوال کرنے کے صرف مائل نہیں ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں خود انسانی ہی اکثر ان کو سنگین خطرے کا سبب بنتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کوئی بھی شخص جسے اللہ نے کچھ لوگوں پر حکومت کرنے کا اختیار دیا ہے اگر وہ حقیقی طور پر ان کی دیکھ بھال نہیں کرتا ہے اسے کبھی جنت کی خوشبو بھی محسوس نہیں ہوگی۔" قرآن مجید میں فرعون کی برائیاں غیر اخلاقی قیادت کی عمدہ مثال ہیں۔

زمین کو وراثت میں لینے کا حق

اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل امت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانتِ اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حق) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (غلبہ و اقتدار کے ذریعہ) مضبوط و مستحکم فرمادے گا اور وہ ضرور (اس تمکّن کے باعث) ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لئے امن و حفاظت کی حالت سے بدل دے گا، وہ (بے خوف ہو کر) میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے (یعنی صرف میرے حکم اور نظام کے تابع رہیں گے)، اور جس نے اس کے بعد ناشکری (یعنی میرے احکام سے انحراف و انکار) کو اختیار کیا تو وہی لوگ فاسق (و نافرمان) ہوں گے، اور تم نماز (کے نظام) کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کرتے رہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (کامل) اطاعت بجالاؤ تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے (یعنی غلبہ و اقتدار، استحکام اور امن و حفاظت کی نعمتوں کو برقرار رکھا جائے)، اور یہ خیال ہر گز نہ کرنا کہ انکار و ناشکری کرنے والے لوگ زمین میں (اپنے ہلاک کئے جانے سے اللہ کو) عاجز کر دیں گے، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے (24: 55-57)

اللہ نیک لوگوں کو طاقت اور سلامتی اور ان کی دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت کے قابل بنائے گا۔ اللہ کے "وعدہ" کے بارے میں اس قرآنی حوالہ میں خدا کے قدرتی قانون کا ایک متناسب اشارہ ہے، جو کہ قوموں کے اخلاقی خصوصیات سے جڑے، زوال اور عروج کی طرف اشارہ کرتا ہے، جب مذہب مضبوط ہوتا ہے تو پیروکاروں کا ایمان بھی بڑھتا ہے اور اس دنیا میں اخلاقی اقدار کو بھی فروغ ملتا ہے۔ امن (سیکیورٹی کا احساس) کی اصطلاح نہ صرف جسمانی سلامتی بلکہ خوف سے آزاد ہونے کی علامت بھی ہے۔ مذکورہ بالا شق سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب بھی کوئی مذہبی تحریک شروع کی گئی تو ان کو شروعات میں کمزوری اور بد امنی کا سامنا کرنا پڑا، یہ کسی فرد کی اندرونی سلامتی کا وعدہ بھی کرتا ہے جو لوگ صرف اللہ پر یقین رکھتے ہیں تو انہیں کسی چیز کا ڈر نہیں ہوتا۔ اور خدا پر یقین رکھنے سے ان کی قسمت کو تقویت ملتی ہے اس تناظر میں "واجبات واجب الادا" (ازکوۃ) کے مخصوص ذکر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سچے ایمان میں سے خود غرضی کا عنصر نکال دیا جائے

ظالموں اور جابر حکمرانوں کے لئے یوم قیامت

رہنماؤں اور ملعون پیروکاروں کے مابین بات چیت

اور (روزِ محشر) اللہ کے سامنے سب (چھوٹے بڑے) حاضر ہوں گے تو (پیروی کرنے والے) کمزور لوگ (طاقتور) متکبروں سے کہیں گے: ہم تو (عمر بھر) تمہارے تابع رہے تو کیا تم اللہ کے عذاب سے بھی ہمیں کسی قدر بچا سکتے ہو؟ وہ (امراء اپنے پیچھے لگنے والے غریبوں سے) کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں بھی ضرور ہدایت کی راہ دکھاتے (ہم خود بھی گمراہ تھے سو تمہیں بھی گمراہ کرتے رہے)۔ ہم پر برابر ہے خواہ (آج) ہم آہ و زاری کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی راہ فرار نہیں ہے (14:21)

توبہ کرنے میں بہت دیر ہو چکی ہے۔ مذکورہ علامتی مکالمہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اخلاقی کمزوری اور خود غرضی کے سبب گناہ کیا تھا اور نام نہاد "قائدین فکر" کی افضل حکمت پر بھروسہ کیا تھا۔ انہوں نے اس ترتیب میں بیان کیا ہے کہ "ان کے تکبر میں فخر ہوا" کیونکہ انہوں نے خدا کے پیغامات پر توجہ دینے سے انکار کر دیا۔

بات میں ہیرا پھیری

اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے (تو کیا منظر ہوگا) کہ ان میں سے ہر ایک (اپنی) بات پھیر کر دوسرے پر ڈال رہا ہوگا، کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے، متکبر لوگ کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی، بلکہ تم خود ہی مجرم تھے (32-31:34)

غلط دلائل دینا

پھر کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے: بلکہ (تمہارے) رات دن کے مکر ہی نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور ہم اس کے لئے شریک ٹھہرائیں (34:33)

متکبر رہنماؤں کا محاسبہ

اور جس دن (اللہ) انہیں پکارے گا تو فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم (معبود) خیال کیا کرتے تھے، وہ لوگ جن پر (عذاب کا) فرمان ثابت ہو چکا کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا ہم نے انہیں (اسی طرح) گمراہ کیا تھا جس طرح ہم (خود) گمراہ ہوئے تھے، ہم ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ (درحقیقت) ہماری پرستش نہیں کرتے تھے (بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے) (28: 62-63)

ہم نے ان کو گمراہی میں مبتلا نہیں کیا اس لئے کہ ان کے پیش روؤں نے انہیں گمراہ کر دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹے — لیکن تقریباً — مستحق اقدار اور تصورات سے انسان کا وابستہ ہونا اکثر معاشرتی تسلسل کا معاملہ ہوتا ہے کیوں کہ ان کا وقتاً فوقتاً ہوتا ہے اور ہر نسل آنکھیں بند کر کے اپنے خیالات کی پیروی کرتی ہے۔ یہ حوالہ اخلاقی یا فکری تجویز کو قبول کرنے کی اخلاقی ناقابل قبولیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ کسی اور بنیاد پر بھی اس کو اس قابل نہیں رکھا گیا تھا کہ اس کو پچھلی نسلوں نے بھی جائز قرار دیا تھا۔

اور (ان سے) کہا جائے گا: تم اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو بلاؤ، سو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ (شریک) انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور وہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے، کاش! وہ (دنیا میں) راہ ہدایت پا چکے ہوتے (28: 64)

جیسا کہ تسلسل ظاہر کرتا ہے مخاطب افراد رہنما جیسے دانشور سیاسی اور مذہبی رہنما ہیں جن کو معاشرے کے معاشرتی سلوک اور اخلاقی تشخیص کے غلط معیار طے کرنا تھے۔ اور چونکہ وہ بنیادی طور پر اس غلط سمت کے ذمہ دار ہیں جو ان کے پیروکاروں نے لیا ہے لہذا وہ آنے والی زندگی میں سب سے پہلے مصائب کا شکار ہوں گے۔

ظالم اور غاصبوں کے لئے تکلیف دہ اذیتیں

دوسرا موقع تلاش کرنا

بس (ملامت و گرفت کی) راہ صرف ان کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی و فساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے (42: 42)

اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اُس کے لئے اُس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہوتا، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب (آخرت) دیکھ لیں گے (تو) کہیں گے: کیا (دنیا میں) پلٹ جانے کی کوئی سبیل ہے؟، اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر ذلت اور خوف کے ساتھ سر جھکائے ہوئے پیش کئے جائیں گے (اسے چوری چوری) چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے، اور ایمان والے کہیں گے: بیشک نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، یاد رکھو! بیشک ظالم لوگ دائمی عذاب میں (مبتلا) رہیں گے (42: 44، 45)

گردن کے گرد طوق

اور وہ (ایک دوسرے سے) ندامت چھپائیں گے جب وہ عذاب دیکھ لیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، اور انہیں اُن کے کئے کا ہی بدلہ دیا جائے گا (34:33)

یہ "طوق" جو ان گنہگاروں نے زندگی میں "اپنے گریبان میں" اٹھا رکھے ہیں اور یوم قیامت رکھیں گے وہ ان کی روحوں کو جھوٹی اقدار کے غلام بنانے اور جو تکالیف ان کو پہنچیں گی اس کے لئے ایک استعارہ ہے۔

دیر پا تکلیف

اور اُن (کافروں) کے لئے کوئی حمایتی نہیں ہوں گے جو اللہ کے مقابل اُن کی مدد کر سکیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دیتا ہے تو اس کے لئے (ہدایت کی) کوئی راہ نہیں رہتی، تم لوگ اپنے رب کا حکم قبول کر لو قبل اِس کے کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے، نہ تمہارے لئے اُس دن کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے کوئی جائے انکار (47-46: 42)

اس حوالہ کا مطلب بنیادی طور پر ظالم اور جابر اور "ان کے پیروکار" ہے۔ اگرچہ یہ ان لوگوں کے لئے ایک حوالہ ہے "جو دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر اشتعال انگیزی کرتے ہیں حق کے برخلاف گناہ کرتے ہیں" اصطلاح کا مفہوم زیادہ عام ہے اور یہ ہر طرح کے دانستہ قصور واروں پر لاگو ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا جملے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر طرح کی بدکاری خاص طور پر دوسروں کے ظلم و ستم کے نتیجے میں روحانی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے مرتکبین اور ان کے پیروکاروں کی خود تباہی ہوتی ہے۔